زندگی کو دلکش اور ہردلعزیز بنایئے

کامیابی کا راز

ڈیل کارنیگی

مترجم: الیاس ناز

زندگی کو دلکش اور ہر دلعزیز بنایئے

کامیابی کا راز

مصنف: ڈیل کارنیگی

مترجم: ایس ناز

شمع بک ایجنسی نوید اسکوائر اردو بازار کراچی

ISBN 969-8387-32-3

نام کتاب ــــــــ کامیابی کا راز

مترجم ــــــــ ایس ناز

ناشر ــــــــ شمع بک ایجنسی

تعداد ــــــــ 1000/

قیمت ــــــــ 25/- روپے

فہرست

کامیابی کا راز

۳۰ سال قبل مجھ پر ایک ایسا راز افشا ہوا جس نے میری زندگی بدل دی۔ آج میں آپ کو بھی اپنا ہم راز بناتا ہوں۔ یہ کوئی لمبی چوڑی بات نہیں بلکہ صرف چار الفاظ پر مشتمل ہے اور وہ الفاظ یہ ہیں: ''آپ کی حدود مصنوعی ہیں!''

فرض کیجیے میں آپ کے گھر ایک تختہ لے کر پہنچتا ہوں یہ تختہ 21 فٹ لمبا، 1-1/2 فٹ چوڑا اور آدھا فٹ موٹا ہے۔ میں اس تختے کو آپ کے گھر کے باہر بچھا دیتا ہوں اور آپ کو ایک سو پونڈ کی پیشکش کرتا ہوں۔ کام صرف یہ ہے کہ تختے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک متوازن قدم رکھتے ہوئے چلے جایئے آپ سو پونڈ کی خاطر یہ کام کرنا پسند کریں گے؟ مجھے یقین ہے کہ آپ اس کام کے لیے فوراً تیار ہو جائیں گے۔

اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں کیونکہ یہ کام ایک تین سالہ بچہ بھی کر سکتا ہے۔ غور کیجیے صرف سات سیکنڈ بعد آپ رقم گن رہے ہوں گے اور حیران ہوں گے کہ خدا نے کس طرح آپ پر مہربانی کی۔

لیکن فرض کیجیے یہی تختہ میں دو چٹانوں کے درمیان رکھ دوں۔ یہ تختہ آدھے میل گہرے کھڈ پر ایک پل کی مانند رکھا گیا ہو، نیچے ایک دریا بہہ رہا ہو اور دریا میں خوفناک مگرمچھ نظر آ رہے ہوں تو کیا آپ اب بھی ایک سو پونڈ کی خاطر اس تختے پر چلنا گوارہ کر لیں گے؟ میرا خیال ہے نہیں، دو سو پونڈ؟ نہیں۔ پانچ سو پونڈ؟ اب شاید آپ میری پیشکش پر کان دھرنے کے لیے تیار ہوں، لیکن عمل پر پھر بھی خود کو آمادہ نہ کر پائیں گے۔

ذرا غور کیجیے فاصلہ نہیں تختہ نہیں بدلا اور نہ تختے پر چلنے کی صلاحیت آپ میں ختم ہوئی لیکن اس کے باوجود آپ نے میری پیشکش مسترد کر دی، آخر کیوں؟

اس کا صرف ایک ہی جواب ہے اور وہ ہے آپ کے تصورات کی بوقلمونی۔ ان دو مواقع پر صرف تصورات میں تغیر پیدا ہوا ہے۔ پہلی مرتبہ تختے پر چلنے کا تصور بہت واضح اور آسان تھا۔ دوسری مرتبہ آپ کے ذہن میں ناکامی کے تصورات آنے لگے اور آپ کی نظروں کے سامنے موت کا منظر چھا گیا۔ پہلی پیشکش میں آپ نے اپنے تصور میں کوئی خطرہ محسوس نہیں کیا، لہٰذا آپ تختے پر چلنے کے لیے تیار ہو گئے تھے لیکن دوسری پیشکش میں آپ نے بہت خطرات محسوس کئے اور یہی وجہ تھی کہ آپ تختے پر نہیں چل سکے اگر آپ دوسری پیشکش قبول کر کے شگاف کے اوپر چلنے کے لیے تیار ہو جاتے تب بھی گونا گوں تصورات آپ کو نیچے گرا دیتے۔

مصنوعی خطرات حقیقی صلاحیت پر زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں اور یہ صرف کھڈ پر رکھے ہوئے تختے کی بات نہیں، زندگی کے جملہ معاملات میں بھی یہی اصول کارفرما ہے۔

غور کیا جائے تو کامیابی صرف خوش قسمتی، لگاتار محنت یا مواقع کے صحیح استعمال ہی پر منحصر نہیں، حالانکہ یہ عوامل کامیابی کے لیے بہت ضروری ہیں۔ کامیابی کا سب سے بڑا تعلق ذہن کے رویے سے ہے اور اس رویے کا آغاز اس احساس سے ہوتا ہے کہ ہمارے تصورات کیا ہیں!!

میں کھیل کی دنیا کی ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ ملکہ وکٹوریہ کے زمانے کی بات ہے، طب کی رو سے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ کوئی شخص چار منٹ میں ایک میل نہیں دوڑ سکتا۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، کھلاڑی اس ہدف کے قریب تر آتے گئے لیکن اچھے سے اچھا کھلاڑی بھی اس حد تک نہ پہنچ سکا، پھر ڈاکٹر روجر بینسٹر آیا اسے یقین تھا کہ یہ کوئی اصول نہیں، صرف انسانی ذہن کا خیال ہے، لہٰذا اس نے خوب محنت کی اور بالآخر کامیابی نے اس کے قدم چومے۔

اگرچہ یہ کامیابی بہت ہی غیر معمولی تھی، لیکن کچھ ہی عرصے میں بے شمار کھلاڑی چار منٹ سے بھی کم وقفے میں ایک میل دوڑنے لگے۔ آج یہ ایک معمولی بات سمجھی جاتی ہے۔ ایک وقت وہ تھا کہ دنیا بھر کا کوئی کھلاڑی چار منٹ میں ایک میل نہیں دوڑ سکتا تھا

اور اب وقت یہ ہے کہ ان گنت لوگ ایسا کر سکتے ہیں، حالانکہ لوگوں کے جسم وہی ہیں جو پہلے تھے، وہی دل اور وہی عضلات، فاصلہ بھی وہی اور وقت بھی وہی تربیت کے طریقے بھی وہی اور جوتے بھی وہی۔ فرق صرف یہ ہے کہ پہلے چار منٹ میں ایک میل دوڑنے کے خیال کو بھی مضحکہ خیز تصور کیا جاتا تھا، لیکن جب ڈاکٹر بینسٹر نے ذہن کی اس مصنوعی حد کو پار کیا تو لوگوں نے جان لیا کہ یہ اصول طبعی نہیں اور پھر سب نے اپنا ذہنی رویہ بدل ڈالا۔

نفسیات کا کوئی بھی ماہر آپ کو بتائے گا کہ ہم ذہن کی قوت کا زیادہ سے زیادہ دس فیصد استعمال کرتے ہیں حتیٰ کہ آئن اسٹائن جیسا ذہین سائنسدان بھی اپنے ذہن کا دس فیصد سے کچھ ہی زیادہ حصہ استعمال کرتا تھا لہٰذا اگر آپ آئن اسٹائن کی طرح ذہین بننے کے خواب دیکھ رہے ہیں تب بھی اپنے ذہن پر قدغن لگا رہے ہیں۔ اصولی طور پر آپ آئن اسٹائن سے دس گنا ذہین بن سکتے ہیں۔ جس طرح تصورات حدود قائم کرتے ہیں بالکل اسی طرح ہم تصورات ہی کے ذریعے ان حدود کا توڑ بھی کر سکتے ہیں

یونانی سائنسدان ارشمیدس دنیا کا پہلا شخص تھا جس نے لیور کا اصول دریافت کیا جس کے تحت ایک فرد اپنی قوت سے کہیں زیادہ وزنی شے اٹھا سکتا ہے اس سائنسدان کا عزم اس قدر مضبوط تھا کہ اس نے دعویٰ کر دیا وہ دنیا کو اپنی مرضی سے ہلا سکتا ہے۔ اس نے کہا ''اگر تم مجھے پاؤں ٹکانے کی جگہ دے دو تو میں کرۂ ارض کو اٹھا سکتا ہوں۔''

یقین کیجیے آپ خود اس وقت اسی قسم کے حالات سے دوچار ہیں اگر آپ کھڑے ہونے کی جگہ حاصل کر لیں تو آپ تجارتی دنیا کو ہلا کر رکھ دیں اور اپنی قوت سے کہیں زیادہ بہتر نتائج نکال لائیں۔

عملی نفسیات کا مطالعہ میرا روزمرہ کا دستور ہے مطالعے کے دوران مجھ پر ایک بڑی ہی دلچسپ حقیقت کا انکشاف ہوا۔ مجھے معلوم ہوا ہماری ناکامی کا سبب صلاحیت یا ذہانت کی کمی نہیں، بلکہ اس کا بڑا سبب اعتماد کی کمی ہوتا ہے اور اعتماد کی کمی مصنوعی خطرات کا اصل سبب ہے۔ جب بہت سارے مصنوعی خطرات جمع ہو جاتے ہیں تو ہمیں اپنی شخصیت کا منفی عکس نظر آنے لگتا ہے۔

بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو حالات و واقعات کے آئینے میں اپنا عکس صاف دیکھتے ہیں۔ آپ نے اپنے دوستوں میں یہ بات اکثر محسوس کی ہوگی کہ ایک شخص اپنی رائے بدلنے کے لیے تیار نہیں ہوتا خواہ وہ رائے صحیح ہو یا غلط۔ کتنی ہی مرتبہ آپ نے ایسے افراد دیکھے ہوں گے جن کا حقیقی روپ ان کے ظاہری روپ سے کہیں زیادہ مختلف ہوتا ہے ایک احمق آدمی اپنے آپ کو عقلمند تصور کرتا ہے اور ایک عقلمند انکساری سے یوں کام لیتا ہے جیسے اسے صلاحیتوں کا بالکل علم ہی نہیں۔

آپ دوسروں کی شخصیت کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں خواہ آپ کردار کو پہچاننے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں۔ کون عظمت والا ہے اور کون بدکردار، یہ آپ بہت جلد بتا سکتے ہیں۔ صرف چند ملاقاتیں کافی ہیں۔ لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو ہستی آپ کی زندگی پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتی ہے جو آپ کے لیے اہم ترین ہے جو آپ کے ساتھ 24 گھنٹے رہتی ہے جس کے ایک ایک راز سے آپ واقف ہیں اس کے بارے میں آپ کچھ نہیں بتا سکے! جی ہاں، آپ اپنے بارے میں بہت کم جانتے ہیں! بہت ہی کم اور اکثر لوگوں کی ناکامی کا یہی سب سے بڑا سبب ہے۔

ہر فرد اپنی زندگی کچھ اصولوں کے تحت گزارتا ہے۔ یہ اصول جدا جدا ہوتے ہیں اور ان کا انحصار صلاحیت پر ہوتا ہے۔ کچھ لوگوں کے بہت اصول ہوتے ہیں، کچھ کے بہت کم لیکن ہر فرد کے کچھ اصول ضرور ہوتے ہیں۔

اصولوں کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ پہلی قسم کے اصول ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ کون سا کام کرنا چاہیے اور کون سا نہیں۔ مثال کے طور پر آپ کا اصول آپ پر زور دیتا ہے کہ خواہ حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں۔ آپ اپنے دوست کو کبھی دھوکا نہ دیں۔ دوسرے اصول یہ بتاتے ہیں کہ کون سا کام ہمیں لازماً کرنا ہے اور کون سا چھوڑ دینا ہے۔ تیسری قسم کے اصول ذرا دقیق ہیں۔ یہ بتاتے ہیں کہ حالات کیسے ہونے چاہئیں۔ یہ تمام اصول غیر شعوری طور پر بروئے کار آتے رہتے ہیں۔

کچھ اصول آپ خود ہی بنا لیتے ہیں لیکن زیادہ تر اصول دوسرے لوگوں کے

بنائے ہوئے ہوتے ہیں۔ غالباً زیادہ تر آپ کے والدین کے بنائے ہوئے، آپ کے رشتے دار اور دوست بھی کچھ اصول وضع کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ کچھ اصول آپ ٹیلی وژن یا کتابوں سے بھی حاصل کرتے ہیں۔ ویسے اس میں کوئی ہرج نہیں بشرطیکہ یہ سارے اصول اچھے ہوں۔

آپ اپنے اصولوں کا جائزہ لیتے رہیں، اگر اصول اچھے ہوں تو انہیں قائم رکھیں اور اچھے نہ ہوں تو ترک کر دیں۔ لیکن یہ طریقہ اس وقت تک صحیح ہے جب تک آپ کا فیصلہ شعوری ہے۔ اگر کوئی اصول حقیقت سے منحرف ہے تو اس سے آزادی حاصل کر لیں اور اسے قریب بھی نہ آنے دیں فضول اصولوں کا وزن اٹھانا دانائی نہیں!

آرام کے اپنے اصولوں کا جائزہ لیجیے۔ اطمینان بہت بڑی دولت ہے۔ اس میں آپ کی صحت مندی کا راز پنہاں ہے۔ اطمینان آپ میں نئی توانائی پیدا کرتا ہے یہ آپ کو چھوٹے اعصابی تناؤ سے بچاتا ہے۔ آرام کرنا کس قدر آسان ہے! صرف کچھ دیر کے لیے کام بند کریں، بیٹھ جائیں اور بس! یہ ضروری نہیں کہ دو چار گھنٹے آپ بستر پر گزاریں۔

لوگ تصورات کی اہمیت کو نہیں سمجھتے۔ جب آپ تصورات سے کام لیتے ہیں، جب آپ اپنے ذہن میں کوئی تصویر بناتے ہیں، تو زیادہ تر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ احمقانہ مشغلہ اختیار کر رہے ہیں لیکن وہ غلط سوچتے ہیں یہ بات یقینی ہے کہ اگر آپ آنے والے کل کے بارے میں سوچیں اور کل کی ہولناکیوں کے تصورات ذہن میں لائیں اور پریشان ہونا شروع کر دیں تو پیٹھ اور دل کی بیماری میں مبتلا ہو جائیں گے۔ آپ کے تصورات آپ کے جسم کو تباہ کر سکتے ہیں اور آپ کو قبل از موت کے گھاٹ اتار سکتے ہیں اور آپ اگر عظیم کامیابیوں کے بارے میں سوچیں بہترین ناولوں اور عمدہ کھیلوں کے بارے میں سوچیں۔ تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ سب کچھ تصورات کے دم سے ہی منظر عام پر آئے۔

اس سے پہلے کہ شعر کہے گئے ہوں، اس سے پہلے کہ تصویر بنائی گئی ہو، اس سے پہلے کہ ناول لکھا گیا ہوگا۔ یہ سب تصورات کی دنیا ہی میں تو تھے! انجینئرنگ کے عظیم

کارنامے۔نئی ایجادات، نت نئی معلومات، یہ سب ہماری نگاہوں کے سامنے آنے سے پہلے یقیناً ان کے خالقوں کے ذہن میں تھے۔تصورات ہماری زندگی کو بناتے یا بگاڑتے ہیں۔اگر تصورات مثبت ہوں، تو مثبت نتائج لازماً نکلیں گے، منفی ہوں تو منفی!

اسی طرح کھچاؤ اور کشیدگی، دوستی کی راہ میں دیوار ہے جو لوگ کھنچے کھنچے رہتے ہیں وہ پسند نہیں کئے جاتے مزید یہ کہ جب ہم کھنچے کھنچے رہنے لگیں تو ہم کو کام کرنے میں سخت دشواری پیش آتی ہے، توانائی کی کمی اور کمزوری محسوس ہوتی ہے اور اس طرح کامیابی ہم سے دور تر ہوتی چلی جاتی ہے۔

اگر ہم اپنے اندر سے کشیدگی دور کر دیں گے تو لازماً آرام محسوس کرنے لگیں گے اور ہمارا اعتماد بحال ہو جائے گا۔اگر ہم اعتماد سے کام لیں گے تو ہم میں اہلیت پیدا ہوگی۔اعتماد اور اہلیت ساتھ ساتھ چلا کرتے ہیں۔اگر ہم اعتماد سے کام لیں، تو لوگ ہم پر بھروسہ کرنا شروع کر دیتے ہیں اور ہم زیادہ کام سرانجام دینے کی صلاحیت پا لیتے ہیں۔

آیئے اب ذرا ذہن کا جائزہ لیں۔ہمارے دماغ میں دو حصے ہیں۔ایک شعوری اور دوسرا لاشعوری۔جب ہم جاگ رہے ہوتے ہیں تو شعوری اور لاشعوری حصوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہو جاتا ہے اور اس طرح ہمارے دماغ کا صرف شعوری حصہ استعمال ہو رہا ہوتا ہے۔اسی طرح جب ہم سو جاتے ہیں تو ہمارے دماغ کا صرف لاشعوری حصہ استعمال ہو رہا ہوتا ہے لیکن جب ہم نیند سے جاگتے ہیں یا رات کو سونے کے لیے بستر پر لیٹتے ہیں تو ہمارے دماغ کے دونوں حصے بیک وقت کام شروع کر دیتے ہیں۔یہ عمل بہت مختصر وقت کے لیے ہوتا ہے۔ہمارے شعوری دماغ کی ایک زبان ہوتی ہے جو الفاظ میں سوچتی ہے۔لیکن لاشعوری دماغ کی کوئی زبان نہیں ہوتی۔یہ صرف تصویروں میں سوچا کرتا ہے، لہٰذا اگر آپ اپنے دماغ سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو صبح اور رات کو اپنے بیدار ذہن میں جو خیالات لائیں، وہ تصویروں کی شکل میں لائیں اپنے مقصد کو تصویروں کی شکل میں چشم تصور میں دیکھیں۔اس طریقے کو آزما کر دیکھیں یقیناً فائدہ ہوگا!

کہا جاتا ہے دعا کرنے سے پہلے بھی سوچ لینا چاہیے کہ ہم کیا دعا کر رہے ہیں..... ممکن ہے ہماری دعا کو قبولیت کا شرف ملے۔

کئی دفعہ ہمیں خود پتہ نہیں ہوتا کہ ہم کیا سوچتے ہیں اور سب سے دلچسپ بات یہ کہ ہم سمجھتے ہیں کہ اپنے ارادوں سے بخوبی واقف ہیں لیکن ہمیں یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ ان ارادوں کو عملی جامہ پہنائیں تو کن حالات سے دوچار ہونا ہوگا مثلاً کئی بار ہم شہرت کے طلبگار ہوتے ہیں لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ یہی شہرت بعض اوقات انسان کے لیے وبال جان بن جاتی ہے۔

جب بھی میں کسی شخص سے مقصد حیات پر گفتگو کرتا ہوں تو مجھے خیال آتا ہے کہ شائد میں نے غلطی کی ہے کیونکہ ہر شخص اپنے مقصد حیات سے بخوبی واقف نہیں ہوتا لوگوں کو زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہیں زندگی کس طرح گزارنی چاہیے۔

جب میں نے اس سلسلے میں گفتگو کی۔تو ایک عجیب نتیجے پر پہنچا آپ کو یقین نہیں آئے گا، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ بہت سے لوگوں نے اس بات پر ابھی غور ہی نہیں کیا تھا۔میں سمجھتا ہوں آپ ایسے بہت سے لوگوں کو جانتے ہوں گے۔اپنے کسی دوست سے پوچھئے کہ وہ زندگی میں سب سے زیادہ کس شے کو حاصل کرنے کا طلبگار ہے۔آپ دیکھیں گے وہ اس سوال کا سنجیدہ جواب دینے میں کافی وقت صرف کرے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ زیادہ تر لوگ اس مسئلے پر غور کرنے کے لیے ذرا سا وقت بھی نہیں نکالتے وہ دریا کے بہاؤ کے ساتھ بہتے چلے جاتے ہیں۔واقعات ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں حالات ان میں تغیرات لاتے ہیں لیکن کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ وہ اپنے حالات میں تبدیلیاں لائیں یا بہتری کی کوشش کریں بظاہر وہ جاگ رہے ہوتے ہیں لیکن درحقیقت میں سوئے ہوتے ہیں۔

اس بحث میں پڑنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ اگر آپ نے ابھی تک اپنے مقصد زندگی کا تعین نہیں کیا تو اب کر لیجیے۔اسے باقاعدہ کاغذ پر تحریر کر لیجیے اور یہ بھی لکھ دیجیے کہ آپ کب اور کیسے اس مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔

سچی کامیابی حاصل کرنے کے لیے یادداشت کا اچھا ہونا ضروری ہے۔معلوم کیجیے آپ کی یادداشت کیسی ہے! ممکن ہے کہ آپ اپنے حافظے کو کمزور سمجھتے ہوں۔لیکن میں آپ کو ایک ایسی بات بتاتا ہوں جس سے آپ کو حیرت ہوگی وہ یہ کہ خدا کے فضل سے آپ کا حافظہ بہت خوب ہے۔یقین کیجیے آپ کا حافظہ مثالی ہے مشکل صرف یہ ہے کہ آپ صحیح طریقے سے استعمال نہیں کرتے۔

دراصل حافظہ بھی ایک فن ہے اس فن کا ماہر بجا طور پر امریکہ کا ہیری لورین ہے اس کا کہنا ہے کہ بہت کم لوگوں کا حافظہ خراب ہوتا ہے زیادہ تر لوگ ایسے ہیں جو کوئی بات یاد رکھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔یقین نہیں آرہا؟

غور کیجیے جب آپ کی تعارف کسی شخص سے کرایا جارہا ہو کیا آپ اس کا نام یاد رکھنے کی کوشش کرتے ہیں؟ اگر آپ عام لوگوں کی طرح ہیں تو شاید آپ اس کا نام صحیح طریقے سے سننے سے بھی نہیں دوبارہ پوچھنے سے بھی شرماتے ہیں۔

کسی بات کو یاد رکھنے کا اصول بہت پرانا ہے اتنا پرانا کہ قدیم یونانی بھی اس سے بخوبی واقف تھے اس اصول کو لوکس کہتے ہیں۔لوکس کا مطلب ہے محل وقوع اور علم حافظہ میں لوکس وہ جگہ کہلاتی ہے جہاں ہم چیزیں رکھتے ہیں یہ جگہ حقیقی نہیں محض تصوراتی ہوتی ہے اپنی یادداشت کو ترتیب دینے کے لیے آپ کو اپنے ذہن میں یہ عمارت تعمیر کرنی ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر آپ مندرجہ ذیل اشیاء کو یاد کرنا چاہتے ہوں تو اسی ترتیب سے فہرست پڑھیے اور بتایئے کہ کیا آپ ان کے نام یاد کرسکتے ہیں!

(1) چابی (2) ٹائپ رائٹر (3) موٹر کار (4) سگار (5) الماری (6) لغت (7) بجلی کا چولہا (8) ٹوپی (9) خطرناک بچھو (10) بید کا درخت (11) مصری مومیا (حنوط شدہ لاش) (12) ہوائی جہاز کا ماڈل (13) پائپ ریک (14) گردکش (15) خلائی جہاز (16) چٹنی والا قیمہ (17) خاتون کا شام کا لباس (18) ساحل سمندر (19) مونالیزا (20) سکڑا ہوا سر۔

میں نے جان بوجھ کر ایسی اشیاء کی فہرست بنائی ہے جن میں کوئی ربط نہیں اس فہرست کو پڑھنے کے بعد آنکھیں بند کرلیں اور یاد کرنے کی کوشش کریں تو شاید آپ چند اشیاء کے نام گنوا سکیں۔لیکن میں نہیں سمجھتا کہ آپ تمام چیزوں کے نام بتا سکیں گے تاہم اگر لوکس (تصوراتی عمارت) کو استعمال کریں تو شاید اتنی مشکل پیش نہ آئے۔

آیئے اب معلوم کریں کہ لوکس کو کس طرح استعمال کرتے ہیں! آپ کے سامنے ایک عمارت ہے۔چابی آپ کے پاس ہے۔آپ عمارت کے اندر داخل ہوتے ہیں سب سے پہلے ایک بہت ہی خوبصورت ٹائپ رائٹر نظر آتا ہے، لیکن فرش پر......دوسرے کمرے میں داخل ہوتے ہیں تو ایک موٹر کار دیکھتے ہیں۔آخر یہ موٹر کار عمارت میں کس طرح داخل ہوئی! مزید آگے بڑھتے ہیں تو بڑی تعداد میں سگار دکھائی دیتے ہیں۔یہ کس چرسی کا کمرہ ہے؟ آپ بُو برداشت نہیں کرسکتے اور تیزی کے ساتھ آگے بڑھ جاتے ہیں۔کس قدر خوبصورت الماری ہے! آپ نے زندگی میں اتنی پیاری الماری پہلے کبھی نہیں دیکھی۔کس قدر کشادہ ہے یہ!

ذہن پر زور دیں اور تمام اشیاء کو اس عمارت میں دیکھیں۔مشق جاری رکھیں تو آپ اپنی یادداشت میں حیرت انگیز تبدیلی پائیں گے۔

اب میں آپ کو مشکلات حل کرنے کا ایک طریقہ بتاتا ہوں۔یہ طریقہ اس قدر آسان ہے کہ آپ کو یقین نہیں آئے گا کہ کارآمد بھی ہوسکتا ہے۔تاوقتیکہ آپ اس کو خود آزما نہ لیں۔طریقہ یہ ہے کہ اپنی مشکلات کو عالم خواب میں محو کردیں! یعنی ان کا حل خواب میں دیکھیں کیا یہ جادو ہے؟ جی نہیں، یہ جادو نہیں۔آپ کو یاد ہوگا میں نے دماغ کے دو حصے بتائے تھے......ایک حصہ شعوری اور دوسرا لاشعوری۔یہ کارنامہ دماغ کے لاشعوری حصے کا ہے جب بھی آپ کو کسی مشکل کا سامنا ہو، درج ذیل طریقہ پر عمل کریں

پہلے جس مشکل کو آپ حل کرنا چاہتے ہیں، اس کے بارے میں تمام معلومات جمع کریں، خواہ ان کا حل سے کوئی تعلق ہو یا نہ ہو۔اب آپ اپنی مشکل کو حل کرنے کے لیے ایک آخری شعوری کوشش کریں۔اگر آپ کامیاب ہوتے ہیں تو بہت خوب،

نہیں ہوتے تو گھبرائیں نہیں۔

پھر جب رات کو سونے جائیں تو ایک قلم اور نوٹ بک اپنے پاس رکھ لیں۔ سونے سے ذرا پہلے اپنی مشکل کا مکمل جائزہ لیں اور وہ باتیں لکھیں جو مشکل دور ہونے کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔ آخر میں تصور میں صبح کو دیکھیں اور یہ خیال بھی کریں کہ آپ کا مسئلہ حل ہو گیا ہے۔

جب آپ نیند سے بیدار ہوں گے تو امید ہے حل آپ کے پاس ہوگا۔ اسے اپنی نوٹ بک میں درج کر لیں۔ اگر خدانخواستہ کوئی حل نہ ملے تو بھی مایوس نہ ہوں۔ دوسری رات اسی طریقے پر عمل کریں۔ اگر پھر بھی حل نہ ملے تو ایک بار اور اس طریقے کو اپنائیں۔ بعض دفعہ یہ ہوتا ہے کہ حل جلدی نہیں ملتا۔ میں ایک مدت سے اس طریقے پر عمل کر رہا ہوں اور مجھے ہمیشہ ایک ہفتے کے اندر اندر حل مل جاتا ہے۔

جب کوئی شخص ملازمت حاصل کرنا چاہتا ہے اور ہر مرتبہ اسے محروم کر دیا جاتا ہے تو اس کے دل و دماغ پر مایوسی قبضہ کر لیتی ہے، وہ اپنی درخواست لکھنے میں زیادہ وقت صرف کرنے لگتا ہے۔ اور اپنے بارے میں زیادہ تفصیلات لکھنا شروع کر دیتا ہے۔ تصور یہ ہوتا ہے کہ مخاطب کو زیادہ سے زیادہ مرعوب کر سکے لیکن پھر بھی اسے انٹرویو کے لیے نہیں بلایا جاتا۔

خدا نہ کرے آپ بھی اس قسم کے حالات سے دوچار ہوں تو میرے پاس آپ کے لیے ایک خوشخبری ہے۔ انٹرویو حاصل کرنا کچھ بھی مشکل نہیں اگر آپ کو طریقہ معلوم ہو۔ اس مقصد کے لیے لمبے خطوط لکھنے کی ضرورت نہیں۔ غیر ضروری عاجزی کی بھی ضرورت نہیں۔ درخواست لکھنے پر ہرگز زیادہ وقت صرف نہ کریں۔ میرے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کریں گے تو آپ کی ابتدائی درخواست ہی بہت مؤثر ہوگی۔

جس شخص سے میں نے عرضی لکھنا سیکھا اس نے کامیابی کے ساتھ پہلے ہی انٹرویو میں ملازمت حاصل کر لی تھی۔ اس کی عرضی کیا تھی صرف چار الفاظ اور ان چار الفاظ کو بھی اس نے صحیح سے ٹائپ نہیں کیا تھا یہ شکستہ سی تحریر اخبار کے ایک ٹکڑے پر لکھی

گئی تھی! لیجیے میں آپ کو اس انمول عرضی کے بارے میں تفصیلات بتاتا ہوں!

یہ اس وقت کی بات ہے جب اس شخص نے اشتہارات کی اشاعت کرنے والے ایک ادارے کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا۔ وہ نوجوان تھا اور اسے کوئی تجربہ نہیں تھا اشاعت کے کام کے لیے بہت صلاحیت درکار ہوتی ہے اور اشتہارات کی ایجنسیاں تو بہت ہی محتاط رہتی ہیں، کسی ایسے شخص کو لینے کے لیے قطعی تیار نہیں ہوتیں جو تجربے سے محروم ہو۔ لہٰذا آپ سمجھ سکتے ہیں کہ میرے دوست کے لیے حالات قطعی سازگار نہیں تھے اگر وہ رسمی سی درخواست لکھتا، خوبصورت جملوں سے آراستہ اور اچھے طریقے ٹائپ کیے ہوتے تو یقیناً عمدہ الفاظ سے سجا ہوا اور بہت عمدہ طریقے سے ٹائپ کیا ہوا رسمی خط اسے بھی ملتا جس میں ملازمت دینے سے معذرت چاہی جاتی۔

لیکن اس نے رسمی عرضی نہیں لکھی بلکہ وقت کا انتظار کرنے لگا اور اس دوران میں اس نے کاپی رائٹنگ کا کورس مکمل کر لیا۔ اس کورس کے آخر میں کاپی رائٹنگ کا ایک مقابلہ ہوا۔ میرے دوست نے بھی مقابلے میں حصہ لیا اور اول آیا مقامی اخبار نے اس خبر کو شائع کیا جس میں اس کا نام اور پتہ درج تھا اور یہ کہ اس نے کاپی رائٹنگ کے مقابلے میں اول پوزیشن حاصل کی ہے اس کے بعد میرے دوست نے اس اخبار سے وہ ٹکڑا علیحدہ کیا۔ جس پر اس کی کامیابی کی خبر شائع ہوئی تھی اس پر یہ چار الفاظ لکھے۔

''یہ بندوق کرائے کے لیے ہے۔''

اس عجیب و غریب عرضی سے ایجنسی اس قدر مرعوب کیوں ہوئی؟ اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ میرے دوست نے اپنی صلاحیت جتائی نہیں تھی، دکھائی تھی۔ کہنے اور کرنے میں بہت زیادہ فرق ہوتا ہے، چنانچہ اس نے اپنی تخلیقی صلاحیت کا عملی مظاہرہ کیا اگر آپ بھی اس طرح کر سکتے ہیں تو سمجھ لیں ملازمت پکی ہے۔ کوئی اسامی خالی ہو تو اس کا علم آپ کو کیسے ہو؟ اس کے تین طریقے ہیں۔

(۱) اس ادارے سے براہ راست رابطہ قائم کرنے سے۔

(۲) دفتر روزگار سے۔

(۳) اخبارات کے ذریعے۔

پہلا طریقہ سب سے بہتر ہے آپ جس قسم کا کام کرنا چاہتے ہیں، ایسے لوگوں سے ملیں جو پہلے سے کام کر رہے ہوں اور انہیں صاف لفظوں میں بتا دیں کہ ملازمت کی تلاش میں ہیں۔ شرمانے کی ضرورت نہیں، دفتر روزگار اچھی جگہ ہے لیکن اگر مجھے ملازمت کی ضرورت ہوتی تو میں صرف انتہائی مجبوری کے عالم میں اس ادارے سے رجوع کرتا، ملازمت کے بارے میں سب سے زیادہ معلومات ہم تک اخبارات کے ذریعے پہنچتی ہیں۔

اشتہارات کے آخر میں عام طور پر ہدایت دی جاتی ہے کہ درخواست میں کیا کچھ درج کیا جائے۔ کچھ ادارے فون کرنے کی ہدایت کرتے ہیں لیکن یہ ادارے قابل اعتماد نہیں ہوتے یہاں تنخواہ کم ملتی ہے اور ملازمت بھی غیر محفوظ ہوتی ہے۔

سب سے پہلی غلطی جو لوگ کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ اشتہار کی ہدایات کو آخری اصولوں کا درجہ دے دیتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ میرا ایک رفیق کار ہے اس کی فرم کے دفتر استقبالیہ میں جو خاتون کام کرتی ہے اس نے اشتہار کی ہدایت کو یکسر نظر انداز کر کے یہ ملازمت حاصل کی تھی۔

اشتہار میں تحریری درخواست ارسال کرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ مکمل تفصیلات، عمر، تعلیم، تجربہ وغیرہ درج کرنے کے لیے کہا گیا تھا، لیکن اس لڑکی نے میرے ساتھی کو براہ راست ٹیلی فون کیا اور اسے بتایا کہ چونکہ اسے ایسے فرد کی تلاش ہے جسے عام طور پر ٹیلی فون سے سابقہ پڑے گا تو کیوں نہ وہ فون ہی پر اس کی آواز سن لے اور اس کے فون کرنے کا طریقہ جانچ لے۔

میرا دوست اس کی ذہانت سے اس قدر متاثر ہوا کہ اسے ملازمت دے دی۔ بعد میں اس نے بتایا کہ مجھے اس فیصلے پر کبھی پشیمان نہیں ہونا پڑا۔

کن حالات میں ہمیں اشتہار کی ہدایات کو نظر انداز کر دینا چاہیے؟ یہ بھی ایک توجہ طلب پہلو ہے۔ اس سلسلے میں یہ چند باتیں ذہن میں رکھنی چاہئیں؟

جہاں فون کا استعمال بہت زیادہ ہو۔ آپ براہ راست فون کر کے وہی کچھ کریں جو اس لڑکی نے کیا تھا۔ جب آپ کے پاس مطلوبہ صلاحیت موجود ہو تو فون سے ملازمت حاصل کرنے کے طریقہ کار کو مختصر کر دیتا ہے۔ ہدایات کو نظر انداز کرنے سے جس تلخی کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے وہ آپ کی قابلیت کے سبب رونما نہیں ہوگی۔

جہاں آپ کو اعتماد ہو کہ آپ اپنے مخاطب کو فون پر قائل کر لیں گے۔ جہاں وقت کی کمی کے سبب درخواست بھیجنا ممکن معلوم نہ ہو، اس صورت میں آپ سب سے پہلے براہ راست گفتگو کرنے کی معذرت طلب کر لیں اور ایسا کرنے کا سبب بتا دیں۔ یقین کریں زیادہ تر افراد آپ کی معذرت قبول کر لیں گے۔

براہ راست گفتگو کے دو فائدے ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ جم غفیر سے خود کو علیحدہ کر لیتے ہیں۔ دوسرا فائدہ نفسیاتی ہے اور وہ یہ کہ جس سے آپ ملے ہوں، براہ راست ''نہیں'' کہنا اس کے لیے کس قدر مشکل ہوتا ہے جبکہ خط میں یہ بآسانی لکھا جا سکتا ہے ایک بات واضح رہے کہ جب آپ فون کرتے ہیں تو ملازمت کی درخواست نہ کیجیے بلکہ انٹرویو کے لیے وقت مانگئے۔

اگر کسی سبب سے عرضی لکھنا ہی پڑے تو وہ اس قسم کی ہونی چاہیے۔

''آپ کے اشتہار نے مجھے بہت متاثر کیا، کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ میں ہی وہ شخص ہوں جس کی آپ کو ضرورت ہے، لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے وضاحت کا موقع دیں کیا یہ مناسب نہیں رہے گا کہ میں آپ کے سیکرٹری کو فون کر کے ملازمت کی تاریخ طے کر لوں؟

آپ کا مخلص''

درخواست لکھنے کے لیے درج ذیل باتوں کا خاص خیال رکھیں۔

۱۔ عرضی مختصر ہو۔

۲۔ انٹرویو کی درخواست کریں، ملازمت کی نہیں۔

۳۔ اس بات کی وضاحت کریں کہ آپ کو انٹرویو کا موقع کیوں دیا جائے، نہ کہ ملازمت کیوں دی جائے۔

۴۔ صرف ایسی باتیں لکھیں جن سے نفسیاتی طور پر اتفاق کرنا پڑے۔

۵۔ درخواست صاف ستھرے کاغذ پر اچھے طریقے سے ٹائپ کریں۔

۶۔ درخواست میں جس دن کا ذکر کیا گیا ہو اس دن سیکرٹری کو فون کریں۔

اگر آپ کو کسی فرم میں ملازمت مل گئی ہے تو پھر کیا کریں؟ ترقی کا راز کیا ہے؟ یہ بھی خاصے سوال ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ہر ادارے کے اپنے اصول وضوابط اور کارکنوں کا اپنا اپنا مزاج ہوتا ہے۔ ہر ادارہ اپنی پسند کے لوگ منتخب کرتا ہے اور ان ہی لوگوں کو ترقی ملتی ہے جو مخصوص انداز میں کام کرتے ہیں۔

بعض ادارے اپنا لائحہ عمل تحریری شکل میں رکھتے ہیں۔ نئے آنے والوں کو یہ کتابچہ دے دیا جاتا ہے۔ جس فرم میں آپ کام کرتے ہیں اگر وہاں بھی ایسا مواد موجود ہو تو اسے بغور پڑھیں۔ اس لیے نہیں کہ آپ غلاموں کی طرح اس پر عمل کرنے کے لیے تیار ہو جائیں بلکہ اس کو اپنی قوت کے صحیح استعمال کرنے کا ایک ضابطہ سمجھیں۔

تجارتی اداروں میں لباس کا بھی بہت دخل ہوتا ہے۔ صاف ستھرا لباس کسے پسند نہیں ہوتا؟ اگر لباس خوبصورت اور معیاری ہو تو آپ کی شخصیت دلکش اور جاذب نظر بن جاتی ہے، اچھے درزی سے کپڑا سلوانا یقیناً مہنگا ہوتا ہے لیکن آپ کو روز روز کی الجھن سے نجات مل جاتی ہے۔

دراصل ہمارے جسم کی بھی ایک زبان ہوتی ہے ہمارے بیٹھنے کا انداز، گفتگو کرنے کا انداز، یہ کچھ ہماری شخصیت کی ترجمانی کرتا ہے، بہ الفاظ دیگر ہمارا جسم ہمارے مزاج کے بارے میں بتاتا ہے۔ ہم جب اچھے موڈ میں ہوتے ہیں تو ہمارے چہرے سے اطمینان ٹپکتا ہے غصے میں ہوں تو وحشت چہرے سے عیاں ہوتی ہے اور یہ سب کچھ انسانوں تک ہی محدود نہیں، جانور بھی مختلف موقعوں پر جسم کے ذریعے اپنی ذہنی کیفیت بتاتے ہیں۔ دو بلیوں کو لڑتے وقت دیکھیے! پرندے جب غضب میں ہوتے ہیں تو ان کے پر کس طرح پھیل جاتے ہیں۔

میرا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ آپ ہمیشہ نرم گوئی اور نرم روی سے کام لیں۔ اس

طرح کامیابی کے امکانات روشن ہوتے چلے جائیں گے۔

بااثر افراد ہمیشہ مسکراتے ہوئے نظر آئیں گے وہ نرمی سے کام لیتے ہیں، اپنے ماتحتوں کے ساتھ بھی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ان کے چہرے سے اطمینان ٹپکتا ہے۔ ان کو اپنے اوپر اعتماد ہوتا ہے اور وہ کبھی بھی تھکے تھکے نظر نہیں آتے۔ ہر معاملے میں وہ ذی عقل ثابت ہوتے ہیں اور ان کا ہر فیصلہ آزادانہ ہوتا ہے۔ وہ کبھی دوسرے کے انداز سے مرعوب نہیں ہوتے بلکہ اپنی انفرادیت قائم رکھتے ہیں۔

آپ جب نئے لوگوں سے ملیں تو ان کی حیثیت اور نفسیات کا خاص خیال رکھیں۔ لوگ عام طور پر تنگ نظر اور سست ہوتے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ خود بھی آپ کے بارے میں کوئی نہ کوئی رائے رکھتے ہیں اور ایک مرتبہ جو رائے قائم کر لیں اسے مشکل ہی سے بدلتے ہیں۔

☆☆.........☆☆.........☆☆

رابرٹ آرڈری نے بہت ہی پیاری کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے ''ٹریٹوریل امپیریٹو''۔ اس کتاب میں جانوروں کے طرز عمل کا سائنسی طریقے سے جائزہ لیا گیا ہے جدید ماہر موالید کے مطابق جانوروں کی نسلوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ علاقائی اور غیر علاقائی۔ علاقائی نسل کے جانور اپنے آپ کو کسی خاص علاقے سے وابستہ کر لیتے ہیں۔ مثلاً بعض جانور جنگل کے ایک خاص حصے سے باہر نہیں نکلتے اس علاقے کی بہت واضح حدود ہوتی ہیں اور ہر جانور ان حدود کو جبلی طور پر پہچان لیتا ہے۔ یہ جانور ان حدود کے اندر ہی خوش اور مطمئن رہتے ہیں۔ کسی وجہ سے باہر نکلنا پڑ جائے تو وہ بہت خوفزدہ نظر آتے ہیں۔

آپ کہیں گے کہ ان باتوں کا شخصی کامیابی سے کیا تعلق؟ کیا انسان کے کردار پر بھی علاقے کا اثر ہوتا ہے؟

اس بارے میں علمائے نفسیات مختلف رائے رکھتے ہیں، لیکن عام رائے یہی ہے کہ انسان بھی علاقائی عوامل سے وابستہ ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ کوئی کھیل اگر اپنے

ملک میں کھیلا جائے تو جیتنے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔لیکن وہی کھیل بیرون ملک کھیلا جائے تو امکانات کم ہو جاتے ہیں۔اس کی کیا وجہ ہے؟ یقیناً یہی کہ کھلاڑی اپنے ملک میں خود کو زیادہ محفوظ اور دوسرے ملک میں اجنبی خیال کرتے ہیں۔اس بات سے ثابت ہوتا ہے کہ جانوروں کی طرح انسان بھی علاقائی ہوتے ہیں۔

یہ بات اور آگے بڑھتی ہے تو علاقے کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔شخصی علاقہ اور رہائشی علاقہ۔

ہمارے وجود کے اردگرد کا علاقہ شخصی علاقہ ہے۔ہم نہیں چاہتے کہ کوئی اس علاقے میں داخل ہو۔تحلیلی نفسیات کے بعض ماہرین نے اس ضمن میں بہت سے تجربات کئے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ بعض لوگ شخصی علاقے کے سلسلے میں بہت حساس واقع ہوتے ہیں۔اگر بس میں ہجوم ہو تو آپ نے بھی محسوس کیا ہوگا کہ طبیعت گھبراہٹ محسوس کرتی ہے۔لوگ ایک دوسرے پر اجنبی اجنبی نظریں ڈالتے ہیں۔جیسے شخصی حدود میں مداخلت پر معذرت چاہ رہے ہوں۔رہائشی علاقہ وہ ہے جہاں ہمیں آرام ملتا ہے۔مثلاً ہمارا گھر۔جب آپ کسی کاروباری ادارے کی حدود میں ہوں تو یہ علاقہ آپ کا دفتر ہے۔شخصی اور رہائشی دونوں علاقوں کے کچھ نفسیاتی اصول ہیں اور ان اصولوں کا علم ہمیں دوسروں سے برتر کر دیتا ہے اور کامیابی ہمارے لیے زیادہ آسان ہو جاتی ہے۔

آپ زندگی کے کسی بھی حصے میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں

''بیتھوون، میں تم سے عاجز آ چکا ہوں۔اتنا عرصہ ہو گیا تمہیں، موسیقی کی ابجد تک نہیں آئی مجھے یقین ہے تم کچھ بھی نہ سیکھ سکو گے۔قطعی ناکارہ اور کند ذہن ہو۔''

موسیقی کے استاد نے تیوری چڑھاتے ہوئے کہا۔

بیتھوون خاموش رہا۔وہ لمبی مدت طعن و تشنیع کے تیر سہتا رہا۔اس کا بچپن اور جوانی کا خاصا حصہ ناکامی اور گمنامی کی دلدل میں گزرا۔اور پھر ایک روز اس کا نام چاند کی طرح روشن ہو گیا اور اس نے موسیقار کی حیثیت سے دنیا کو عظیم سرمایہ عطا کیا۔نغموں کے زیر و بم سمجھنے والے آج بھی بیتھوون سے والہانہ محبت کرتے ہیں، وہ مر چکا ہے لیکن اس کی شہرت کو بقائے دوام ملی ہے۔

تاریخ میں ایسے واقعات کثرت سے ملتے ہیں کہ جن لوگوں نے بے مثل کامیابیاں حاصل کیں اور مرنے کے بعد اپنے پیچھے کارہائے نمایاں کے لافانی نقوش چھوڑ گئے، ان میں سے اکثر کند ذہن اور غبی سمجھے جاتے تھے۔نیوٹن سے کون واقف نہیں، وہ اپنی صدی کا حیرت انگیز عجوبہ تھا مگر اس کی زندگی کا بڑا حصہ اس طرح گزرا جیسے وہ کوئی بڑا کام کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا۔چرچل طالب علمی کے زمانے میں ایک کھلنڈرا لڑکا تھا۔وہ پچھلی بنچوں پر بیٹھتا تھا بلکہ اکثر کھڑا رہتا کیونکہ اسے کوئی بھی سبق یاد نہ ہوتا تھا مگر آپ جانتے ہیں چرچل نے انگلستان کی تاریخ میں کیا کردار ادا کیا اور سچ تو یہ ہے کہ ایک زمانے میں پوری عالمی سیاست اس کے گرد گھومتی تھی۔

ڈیوک آف ولنگٹن فوجی مہارت میں ان بلندیوں تک پہنچا جس تک بہت کم لوگ پہنچتے ہیں کہ بار بار کی ناکامیوں سے تنگ آ کر اس نے اس کو خیر باد کہہ دیا تھا۔اسکاؤٹ کی تحریک جو آج دنیا بھر میں کام کر رہی ہے اور ہر تعلیم یافتہ شخص اس کے بارے میں جانتا ہے۔اسی تحریک کے بانی لارڈ بیڈن پاول کو نالائقی کی وجہ سے آکسفورڈ میں داخلہ نہیں ملا تھا۔

یہ واقعات اس حقیقت کی طرف واضح اشارہ کرتے ہیں کہ کامیابی کے لیے کوئی خاص عمر معین نہیں۔ہم عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔یہ ضرب المثل بھی ایک حد تک صحیح ہے۔مگر وہ ہماری پوری زندگی کا احاطہ نہیں کرتی۔ہمارے اندر کچھ کرنے کی امنگ اٹھتی ہے، تو یہ کہہ کر بیٹھ رہتے ہیں کہ کچھ کرنے کا زمانہ

بیت گیا۔ یہ احساس سراسر کم ہمتی یا کم علمی سے پیدا ہوتا ہے۔ آپ ہر لمحے میں ایک عظیم کارنامہ تخلیق کر سکتے ہیں۔ عظیم لوگوں کے حالات زندگی سے معلوم ہوتا ہے کہ کامیابی حاصل کرنے کا عمل بہت بعد میں شروع ہوا اور جس قدر دیر سے شروع ہوا، اسی قدر اس میں تیزی پنہاں تھی کامیابی کے پھول عموماً زندگی کی ابتدائی بہاروں میں نہیں کھلتے۔

غربت دور

آپ ایک دوست کے گھر ملاقات کے لیے جاتے ہیں۔ طویل سفر کے بعد آپ اس کے گھر پہنچتے ہیں لیکن گھر خالی پاتے ہیں۔ سفر کی تکان کے سبب آپ گھر کے اندر داخل ہونے کے آرزومند ہیں۔ ایسی حالت میں ایک کھڑکی کھلی پاتے ہیں اور اس سے اندر داخل ہو جاتے ہیں تا کہ کچھ دیر آرام کے ساتھ بیٹھ جائیں۔ آپ کو علم ہے کہ اگر آپ کا دوست گھر پر موجود ہوتا تو لازماً اندر بلاتا۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ جب وہ واپس آئے گا تو آپ کو اندر پا کر ناراض نہیں ہوگا لیکن آپ ویسا اطمینان ہرگز محسوس نہیں کر سکتے جیسا دوست کی موجودگی مین دروازے سے داخل ہو کر محسوس کرتے! اور یہ اس وجہ سے ہے کہ ضابطے کی خلاف ورزی ہوئی ہے۔

آپ جب تک اپنے دوست کے انتظار میں وہاں رہیں گے آپ کا ضمیر آپ کو ملامت کرتا رہے گا، آپ کو احساس جرم ہوگا، آپ مضطرب ہو جائیں گے۔ شاید بے چینی سے کمرے میں چکر کاٹنے لگیں۔ یقیناً آپ تھکاوٹ دور کرنے اور آرام حاصل کرنے کی خاطر کسی کے رہائشی علاقے میں داخل ہوئے تھے لیکن خلاف ورزی کے باعث یہ مقصد حاصل نہیں ہوا۔

تجارتی حلقے میں رہنے کا علاقہ بہت اہمیت رکھتا ہے بشرطیکہ آپ اس کا صحیح استعمال کریں۔ ایسا کرنے سے یقیناً بہت سا نفسیاتی فائدہ پہنچے گا، آپ آرام اور سکون محسوس کریں گے۔

جب کسی افسر کو اپنے ماتحت سے کام لینا ہوتا ہے تو عام طور پر وہ اپنے ماتحت کے

کمرے میں نہیں جاتا بلکہ اسے اپنے کمرے میں بلاتا ہے لیکن جب آپ کو اپنے کسی ماتحت سے کام لینا ہو تو آپ اس کے کمرے میں جانا زیادہ پسند کریں۔ اس طرح اسے کسی قدر اہمیت ملتی ہے وہ خوش ہو جاتا ہے۔ بہت توجہ، اپنائیت اور اطمینان کے ساتھ آپ کی بات سنتا ہے اور آپ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ تعاون کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

کیا آپ احساس کمتری کا شکار ہیں؟ احساس کمتری کی وجہ سے لوگ بہت سی باتیں راز میں رکھا کرتے ہیں "راز" چھپانے کی جتنی زیادہ کوشش کرتے ہیں وہ اتنا ہی زیادہ آشکارا ہوتا ہے، لیکن اگر آپ ہمت کر کے ایک مرتبہ راز کی بات کہہ دیں تو آپ کا خوف جاتا رہتا ہے، آپ کا اعتماد بحال ہو جاتا ہے۔ اس سلسلے میں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اگر آپ لوگوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں تو کوئی بات چھپانے کی ضرورت ہی نہ پڑے گی۔

ایک پرانی کہاوت ہے جب آپ اوپر جانے لگیں تو راستے کے لوگوں سے اچھے طریقے سے ملیں اس لیے کہ جب آپ نیچے آئیں گے تو انہیں لوگوں سے واسطہ پڑے گا! یہ جملہ عام طور پر فلمی دنیا میں استعمال ہوتا ہے، لیکن تجارتی زندگی میں بھی اسی اصول پر عمل کرنا چاہیے، کامیابی کا خواہشمند دانا آدمی اپنے ماتحتوں سے بہت اچھے اور نرم طریقے سے ملتا ہے۔ حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اس نے اوپر جانا ہے اور کبھی نیچے نہیں آنا۔

رجائیت پسندی

زندگی کے بارے میں اگر آپ کا نقطۂ نظر مثبت ہو اور آپ ہر چیز کا روشن پہلو دیکھنے کے عادی ہوں تو بے شمار تکالیف کا از خود خاتمہ ہو سکتا ہے۔ تنہائی کے چند لمحے نکال کر صدق دل سے اپنے پوشیدہ خیالات و احساسات کا تجزیہ کرنے کی کوشش کیجیے۔ آپ قنوطی ہیں؟ رجائیت پسند ہیں؟ یا سنکی پن کا شکار ہیں؟ ان سوالات کا جواب حاصل کرنا نہایت اہم ہے۔ اس لیے کہ انسان کا طرز فکر اور رویہ اس کی زندگی کے بڑے اور اہم واقعات کو جنم دیتے ہیں۔ ماہرین نفسیات کا کہنا ہے کہ انسان اگر چاہے

توصرف اپنے سوچنے کا ڈھنگ بدل کر اپنی ساری زندگی کا ڈھانچہ بدل سکتا ہے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ سوسن کا تعلق پیاز سے ہے اور دوسرا کہے کہ پیاز کا تعلق سوسن کے خاندان سے ہے، تو بات دونوں کی ٹھیک ہوگی، لیکن ان دونوں کے سوچنے کے انداز میں جو نمایاں فرق ہے وہ ان فقروں سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔اول الذکر کو قنوطیت کا شکار ہے جبکہ دوسرا شخص ہر چیز کا روشن پہلو دیکھنے کا عادی معلوم ہوتا ہے۔یاد رکھئے انسانی ذہن جو کچھ کاشت کرتا ہے وہ لازماً پھل لاتا ہے۔اگر آپ ہمیشہ تاریک معاملات کے اندھیرے پہلو دیکھنے کے عادی ہیں تو آپ کو زندگی میں مایوسیوں، اداسیوں اور ناکامیوں کے سوا اور کچھ ہاتھ نہیں آئے گا لیکن اگر اسکے برعکس آپ رجائیت پسند ہیں تو آپ کی زندگی خوشیوں، مسرتوں اور کامرانیوں کا مجموعہ ہوگی۔

مسائل پر غور و فکر

بعض لوگوں کی عادت ہے وہ جن معاملات کے متعلق کوئی فیصلہ کرنے یا فوری قدم اٹھانے سے قاصر ہوتے ہیں وہ ان معاملات کو التوا میں ڈال دیتے ہیں۔یہ عادت اچھی نہیں، اپنے مسائل کو فی الفور حل کرنے کے لیے اپنی صلاحیتوں کو میدان میں لائیے اس طرح حالات کا مقابلہ کر کے آپ تجربے کے ساتھ ساتھ کردار کی پختگی اور اپنی ذات پر اعتماد کرنا سیکھ سکتے ہیں۔کل کلاں کو اگر کوئی دوسرا مسئلہ درپیش ہو تو آپ کو اس سے نمٹنے میں کسی قسم کی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔موجودہ مسئلہ چاہے کتنا ہی مشکل ہو وہ آپ کی صلاحیتوں کی آزمائش کی پہلی کڑی ہے، اسے نہ تو کل پر ٹالئے اور نہ آنکھیں چرا کر آگے بڑھنے کی کوشش کیجیے۔

آخری بات جو میں آپ سے کہنے والا ہوں یہ ہے کہ اپنے آپ سے ہمدردی، تاسف، اور دل شکستگی کے سارے خیالات چن چن کر اپنی ذات سے الگ کر دیجئے، یہ سب زہر ہیں، ان کی موجودگی میں آپ کبھی اپنی ذات پر اعتماد کی وہ منزل نہیں پا سکیں گے جو آپ کا منتہائے مقصود ہے۔ان کا سختی سے محاسبہ کریں۔آپ دیکھیں گے آپ

کے سامنے ترقی اور کامرانی کے کتنے ہی ان گنت راستے کھلے ہوئے ہیں۔

زندگی میں کئی ایسے مواقع بھی آتے ہیں کہ اچھے بھلے لوگ مایوسی، بددلی اور پژمردگی کا شکار ہو جاتے ہیں اپنی ذات پر سے ان کا اعتماد اٹھ جاتا ہے اس سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، خود اعتمادی سے ان کا سامنا کیجئے۔اس امر کی کوئی پرواہ نہ کیجئے کہ اس کوشش میں آپ کے قدم کتنی بار لڑکھڑاتے ہیں۔ثابت قدم رہئے اور اپنی ذات پر اعتماد کا نسخہ آزمائیے۔چند بار کے کامیاب تجربوں کے بعد آپ کو زندگی بھر کبھی اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

کامیابی کی طرف ایک قدم

دنیا کے ایک مشہور ماہر طبیعیات کا کہنا ہے انسان کے جسم میں اس قدر جوہری توانائی ہے کہ اس سے نیویارک جیسا ایک بڑا شہر آسانی سے تباہ کیا جا سکتا ہے۔اس قول پر سرسری نظر ڈال کر آگے بڑھنے کے بجائے رک جائیے اور اس کا حقیقی مفہوم ذہن نشین کرنے کی کوشش کیجئے۔ماہر طبیعیات نے بڑے پتے کی بات کہی ہے، ذرا غور کیجئے، اگر انسان میں اتنی قوت ہے کہ اس سے نیویارک جیسے بڑے شہر کو تباہ و برباد کر کے کھنڈر بنایا جا سکتا ہے تو پھر اسے مایوس یا احساس کمتری کا شکار ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ اس حیرت انگیز قوت سے کام لے کر وہ یقیناً اپنی کایا پلٹ سکتا ہے۔

فیثا غورث اکثر کہا کرتا، اپنے آپ سے آگاہی حاصل کرو، قدرت نے انسان کو جوہری توانائی جیسی بے شمار قوتیں اور صلاحیتیں سپرد کر رکھی ہیں۔زندگی میں کامیابی اور خوشی کے حصول کے لیے ان پوشیدہ قوتوں کا سراغ لگانا اور اپنی ذہنی وجسمانی صلاحیتوں کا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔یہ علم انسان میں اپنی ذات پر اعتماد پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے۔ایک بار یہ اعتماد حاصل ہو جائے تو پھر زندگی میں کبھی مایوسی اور بددلی کا شکار نہیں ہو سکتا اور نہ ہی احساس کمتری اس پر غالب آ سکتی ہے۔

احساسِ کمتری

احساس کمتری درحقیقت غلط طرزِ فکر کا نتیجہ ہے۔ اس کی بنیاد اکثر بچپن میں پڑتی ہے، بچے کو بات بات پر ڈانٹا جائے اور اس کے ہر کام میں مین میخ نکالی جائے تو وہ مایوس اور بددل ہو جاتا ہے اور اس کا اپنی ذات پر سے اعتماد اٹھ جاتا ہے اور اسی طرح عملی زندگی میں داخل ہونے کے بعد انسان ناموافق حالات میں گھر جائے اور اسے شکست اور محرومی کے سوا کچھ حاصل نہ ہو تو بھی اس کے اندر احساس کمتری پیدا ہو جاتا ہے، زندگی فی الواقع نہایت کٹھن ہے۔ مگر ہم اس حقیقت کو بھی نہیں جھٹلا سکتے کہ اگر انسان تمام دشواریوں اور رکاوٹوں کے باوجود اپنی شکست نہ مانے اور جدوجہد کرتا رہے تو کامیابی بالآخر اس کے قدم چومتی ہے، عارضی ناکامی اور شکست سے دل برداشتہ ہو کر ہمت نہیں ہارنی چاہیے، مایوسی اور بددلی حقیقتاً شکست اور ناکامی کے لیے راہ ہموار کرتی ہے۔ اس سے دامن بچانا ضروری ہے، اس کی مناسب ترین صورت یہ ہے کہ انسان ہمیشہ مثبت طرزِ فکر اپنانے کی کوشش کرے۔ اپنی ذات پر اعتماد ہو اور ذہن کو مثبت انداز میں سوچنے کی مناسب تربیت دی جائے تو شکست اور ناکامی کا تصور کبھی ابھرنے نہیں پاتا اس کے برعکس آدمی ہمیشہ فتح کے بارے میں سوچتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اس طرح سوچنے والا شخص بالآخر فتح سے ہمکنار بھی ہو جاتا ہے۔

احساس کمتری کی چھاپ انسانی کردار پر نہایت گہری ہوتی ہے۔ اردگرد بسنے والوں کا بغور جائزہ لیجیے ان کی گفتگو، حرکات وسکنات، چلنے پھرنے اور رہن سہن کا انداز صاف طور پر ان کی اس کمزوری کی چغلی کھاتا نظر آئے گا۔ بات بات پر تکلف کا مظاہرہ، اکڑ کر چلنا، نہایت اونچی آواز میں گفتگو کرنا، بحث میں الجھنا اور مخاطب پر علمیت کی رعب بٹھانے کی کوشش کرنا یہ سب احساس کمتری کی مختلف شکلیں ہیں۔ ضرورت سے زیادہ انکساری بھی اسی زمرے میں آ جاتی ہے۔ ان حرکتوں میں انسان کے شعور اور ذہن کا کوئی ہاتھ نہیں ہوتا، بلکہ یہ سب اس سے لاشعوری طور پر سرزد ہوتی ہے اور مقصد صرف

یہ ہوتا ہے کہ اپنے کردار کی خامیوں اور کمزوریوں کو چھپایا جائے۔

خود آگاہی، احساس کمتری سے نجات پانے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور نسخہ بھی اس ضمن میں نہایت مفید ہے۔ یہ نسخہ صرف دو چھوٹے فقروں پر مشتمل ہے۔ مگر اپنی تاثیر اور افادیت کے لحاظ سے بہت اہم ہے۔ یہ دو فقرے ہیں۔ ''اگر خدا میرے ساتھ ہے تو پھر کون میرے خلاف ہو سکتا ہے۔'' اس فقرے پر اعتماد اور یقین کا مطلب دوسرے معنوں میں خود اپنی ذات اور صلاحیتوں پر اعتماد کا اظہار ہے۔ ان الفاظ کو اتنی بار دہرائیے کہ یہ آپ کے لاشعور میں گہرے نقش ہو جائیں۔ ایک بار جب آپ کا ذہن ان الفاظ کی حقیقت تسلیم کر لے تو پھر آپ محسوس کریں گے کہ آپ کے اندر کس قدر عزم، حوصلہ اور استقلال پیدا ہو چکا ہے۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا، میرے پاس ایک نوجوان آیا اسے اعصابی کمزوری کی شکایت تھی اس کی باتوں میں دنیا جہان کا شکوہ تھا۔ میں نے اندازہ لگایا اسے درحقیقت کوئی تکلیف نہیں، محض وہم میں گرفتار ہے، جب وہ اپنی باتیں ختم کر چکا تو میں نے کہا! بڑے افسوس کی بات ہے حالات نے آپ سے نہایت برا سلوک کیا آپ ان کے مقابلے میں ناکام ہو گئے، حالات نے آپ کی ہمت توڑ کر رکھ دی، افسوس صد افسوس!! مجھے دلی ہمدردی ہے۔

اس شخص نے سر اٹھا کر حیرت سے مجھے دیکھا، آنکھیں چمکنے لگیں اور کان کی لویں سرخ ہو گئیں...... پھر یکایک اس نے جارحانہ انداز اختیار کر لیا اور کاٹ کھانے والے لہجے میں بولا، کون کہتا ہے، میں ناکام ہو گیا، کس نے میری کمر توڑ کر رکھ دی؟ مجھے آپ کی ہمدردی نہیں چاہیے۔ باتیں کرتے کرتے وہ کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا، اسے غصے میں دیکھ کر میں نے کہا، بہت خوب، ٹھیک یہی بات میں ذہن نشین کرانا چاہتا تھا، آپ بالکل ٹھیک ہیں، اعصابی کمزوری کی شکایت یونہی کرتے ہیں۔ جس طرح آپ نے میرے سامنے یہ باتیں کی ہیں، اسی طرح اگر ہر صبح بیدار ہونے کے بعد اپنے آپ سے کہا کریں تو دیکھیے اس کا اثر کیا ہوتا ہے۔ ایک قدم آئینے کے سامنے کھڑے ہو جائیے اور یہ فقرہ پانچ مرتبہ دہرائیے۔ ''اگر خدا میرے ساتھ ہے تو پھر

کون میرے خلاف ہوسکتا ہے۔''اس نے میری باتوں پر عمل کیا اور اپنے مرض پر قابو پا لیا، آج وہ نہایت خوش وخرم زندگی بسر کر رہا ہے۔ کیا آپ کو یقین نہیں آتا؟ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا، آپ خود اس نسخے پر عمل کر کے اس کی صداقت آزما سکتے ہیں۔

اعصابی تناؤ

اعصابی تناؤ کی شکایت آج کل بہت عام ہے۔ روزانہ بے شمار افراد سوزش قلب، خون کے دباؤ اور امراض قلب کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر جاتے ہیں۔ طبی ماہرین کا کہنا ہے کہ ان میں سے اکثر اموات کے پیچھے اعصابی تناؤ کارفرما ہوتا ہے۔

اعصابی تناؤ کا بنیادی سبب ذہنی پراگندگی اور بدنظمی ہے۔ پراگندہ ذہن کسی مسئلے کا دوٹوک فیصلہ نہیں کرسکتا بلکہ اس پر ایک سرسری نظر ڈال کر فوراً دوسرے مسئلے یا کام کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح مسائل حل طلب اور کام ادھورے رہتے ہیں۔ رفتہ رفتہ ادھورے کاموں اور مسائل کا ڈھیر لگ جاتا ہے جن سے نپٹنا ممکن نہیں ہوتا۔ نتیجہ یہ کہ انسان پہلے ذہنی افراتفری اور سراسیمگی کا شکار ہوتا ہے اور پھر اعصابی تناؤ کا۔

کام کے دوران میں اگر کسی مرحلے پر آپ بے بسی محسوس کرنے لگیں اور ذہن کام کرنے سے جواب دے دے تو سمجھ لیجیے کہ آپ اس سے کسی ترتیب اور سلیقے سے کام لینے کے بجائے اس پر اندھا دھند غیر ضروری مسائل کا بوجھ لادنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایسی حالت میں لازماً یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ آپ اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ یہ سلسلہ اگر زیادہ عرصے تک جاری رہے تو اس کا نتیجہ بالآخر اعصابی کمزوری کی صورت میں نکلتا ہے۔

اعصابی تناؤ میں مبتلا فرد کی زندگی ایک مسلسل ذہنی عذاب ہوتی ہے۔ اس سے محفوظ رہنے کے لیے اپنے کام میں نظم وضبط پیدا کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ جہاں تک ممکن ہو ایک وقت میں صرف ایک کام کرنے کی عادت ڈالیے۔ جب تک کسی ایک مسئلے کو نبٹا نہ لیں، دوسرے میں ہاتھ نہ ڈالیے۔ ایک بار جب ذہن نظم وضبط سے کام

لینے کا عادی ہو جائے تو انسان نہ صرف کئی غیر ضروری پریشانیوں اور الجھنوں سے محفوظ رہتا ہے بلکہ ہر کام تیزی اور نہایت عمدگی سے انجام دیتا ہے۔

اعصابی تناؤ سے نجات پانے کے لیے اطمینان و سکون نہایت ضروری ہے۔ اس کے حصول کی مختلف صورتیں ہیں۔ تاہم کوئی بھی صورت ہو، آدمی کے خیالات اور طرز فکر بنیادی اہمیت رکھتے ہیں اس لیے سب سے پہلے ان پر توجہ دیجیے۔ مثبت طرز فکر اپنائیے۔ اور ہمیشہ چیزوں کے روشن پہلو دیکھنے کی عادت ڈالیے اس طرح کئی غیر ضروری پریشانیاں اور الجھنیں ختم ہو جائیں گی۔ دوسروں پر تنقید اور نکتہ چینی کرنے کے بجائے اس کے ساتھ لطف و مہربانی اور شفقت کے ساتھ پیش آئیے۔ لوگوں کے دل میں آپ کے لیے جگہ پیدا ہوگی اور وہ آپ کے ساتھ ہر کام میں تعاون کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔

نفسیاتی، طبی یا روحانی مشوروں اور طریقوں سے قطع نظر میں آپ کو ایک بالکل انوکھا مگر سادہ اور آسان علاج بتاؤں گا۔ یہ نہ صرف میرا اپنا آزمودہ ہے بلکہ بہت سے اور اشخاص بھی اس پر عمل کر کے اعصابی تناؤ سے نجات پا چکے ہیں۔ جب آپ کسی کام کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ کر پائیں تو اس سے فوراً ہاتھ اٹھا لیجیے اور آرام کرسی پر بیٹھ کر جسم ڈھیلا چھوڑ دیجیے۔ سر کرسی کی پشت سے لگا کر ٹانگیں پوری طرح آگے کی طرف پھیلائیے اب بازو پہلے اوپر اٹھائیے اور پھر ڈھیلے ڈھالے قدرتی انداز میں نیچے کر کے گھٹنوں پر رکھ لیجیے۔

تھوڑی دیر کے بعد آپ اعصابی اور جسمانی سکون محسوس کرنے لگیں گے۔ اب ذہن کو پرسکون بنانے کی کوشش کیجیے۔ قدرت نے ہمیں تخیل کی صورت میں ایک بیش بہا عطیہ دیا ہے۔ اس سے مدد لیجیے۔ مثال کے طور پر تصور کی آنکھ سے دیکھئے، آپ کسی مرغزار میں درخت سے ٹیک لگائے بیٹھے ہیں۔ چاروں طرف رنگ برنگے پھول کھلے اپنی بہار دکھا رہے ہیں فضا ان کی بھینی بھینی خوشبو سے مہک رہی ہے۔ ہر طرف گہرا سکوت طاری ہے۔ جنگلی کیڑے مکوڑوں کی مدھم سی سرسراہٹ کے سوا اور کوئی آواز

سنائی نہیں دیتی۔ نگاہوں کے عین سامنے صاف شفاف پانی کی جھیل ہے۔ دور ایک بلند و بالا پہاڑ کی چوٹی دھوپ میں چمکتی نظر آ رہی ہے۔ ایسی پرسکون دنیا کے تصور سے نہ صرف آپ کا جسم سکون اور تازگی محسوس کرے گا بلکہ ذہن بھی ٹھہراؤ اور تازگی سے ہمکنار ہو جائے گا۔ چند ثانیوں کے اس عمل سے آپ اپنے اندر حیرت انگیز تبدیلی پائیں گے اور از سر نو تازہ دم ہو کر چھوڑے ہوئے کام سے نپٹ سکیں گے۔

مصیبت اور پریشانی کے عالم میں خدائے بزرگ و برتر کی یاد بہت بڑا سہارا ہوتی ہے اس کی لازوال قوت، شفقت، مہربانی، دست گیری اور عدل و انصاف پر ایمان رکھئے اور اس کی بے پایاں عنایات کے متعلق سوچنے کی عادت ڈالئے۔ اس سے آپ کو نئی قوت سکون اور اطمینان نصیب ہوگا۔ ابتدا میں یہ کام شاید کسی قدر دشوار محسوس ہو مگر گھبرایئے نہیں۔ مشق جاری رکھیے۔ ذہن رفتہ رفتہ خود بخود اس کا عادی ہو جائے گا۔

بنیادی سوچ

قدرت نے انسان کو جو مختلف صلاحیتیں عنایت کی ہیں ان میں سے ایک بہت بڑی قوت سوچ ہے۔ زندگی کی اکثر خوشیاں اور مصائب ایک حد تک اسی سوچ کی پیداوار یا مرہون منت ہوتے ہیں چنانچہ یہ بات نہایت اہم ہے کہ ہم کس طرح سوچتے یا اپنے ذہن کو مصروف رکھتے ہیں۔ کہا جاتا ہے آدمی وہی کچھ ہے جو وہ دکھاتا ہے، لیکن اگر ہم یوں کہیں کہ آدمی وہی کچھ ہے جو وہ سوچتا ہے تو یہ بات نسبتاً زیادہ حقیقت معلوم ہوتی ہے۔

زندگی کو خوشگوار اور کامیاب بنانے کے لیے اپنے اندر عملی انداز میں سوچنے کی عادت پیدا کیجئے۔ ایک مشہور رومی فلاسفر اور دانشمند نے کہا تھا: "ہماری زندگی ہمارے خیالات سے عبارت ہوتی ہے۔" اسی طرح ایمرسن نے کہا: "انسان وہی کچھ ہے جو وہ دن بھر سوچتا رہتا ہے۔" یہ حقیقت ہے کہ انسان دن میں بے شمار باتیں سوچتا ہے۔ مگر اس تمام سوچ میں صرف ایک بنیادی سوچ کارفرما ہوتی ہے۔ انسان کے تمام خیالات

پر اس ابتدائی سوچ کا نمایاں اور گہرا اثر پڑتا ہے۔ مثلاً بعض افراد ڈر کو بنیادی سوچ بننے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ ڈر کی ابتدا عام طور پر نہایت معمولی باتوں سے ہوتی ہے۔ انسان بار بار اس عمل سے گزرے تو یہ عادت بن جاتی ہے اور ذہن اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا اس کے بعد انسان جب بھی کبھی اپنے خاندان، کاروبار، صحت یا دنیا کی کسی اور بات کے متعلق سوچتا ہے اس کی ہر سوچ میں ڈر اور خوف کا رنگ نمایاں ہوتا ہے۔

ڈر سے چھٹکارا پانے کے لیے کوئی مفید نعم البدل تلاش کیجئے اور وہ اپنی ذات پر اعتماد و یقین کی صورت میں آپ کے اندر موجود ہے۔ یاد رکھئے ڈر کبھی یقین پر غالب نہیں آ سکتا۔ یہ نعم البدل نہایت کامیابی سے ڈر پر قابو پانے اور اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ یقین اور اعتماد کی جڑیں ذہن میں جیسے جیسے گہری ہوتی جائیں گی ڈر کے سوتے خشک ہوتے چلے جائیں گے۔ اس کے بعد آپ جب کبھی کوئی بات سوچیں گے اس میں یقین اور اعتماد کی جھلک نمایاں ہوگی۔

سوچ کے عمل کو ہمیشہ صحت مند رکھنا ضروری ہے۔ اپنے مستقبل کی تعمیر اور ترقی کے لیے آپ کو جو ساز و سامان درکار ہے وہ سب آپ کے ذہن میں موجود ہے۔ ذہن کو پراگندگی اور پریشانی سے محفوظ رکھئے۔ اس میں خود بخود تعمیری خیالات کی رو دوڑنے لگے گی اور جب کبھی کسی پریشانی یا الجھن سے دوچار ہوں گے تو ذہن فوراً اس کا کوئی نہ کوئی حل ضرور تلاش کر لے گا۔ اپنے کاروبار یا پیشے میں ترقی کے لیے ہمیشہ نئے اور اچھوتے خیالات سوچنے کی کوشش کیجئے۔ اوسط ذہن کا مالک انسان اگرچہ بڑے بڑے انقلابی منصوبے نہیں سوچ سکتا! تاہم یہ حقیقت ہے کہ اس کی مدد سے وہ اپنے میدان میں محدود پیمانے پر ترقی کی نئی راہیں ضرور تلاش کر سکتا ہے۔ اپنے کام یا کاروبار سے متعلق تمام امور کا بغور اور گہرا مطالعہ کر کے ساری باتیں لاشعور میں جذب کر لیجئے۔ ذہن میں خود بخود نئے اور اچھوتے خیالات پیدا ہونے لگیں گے۔

مشہور اور نامور مصوروں کی اکثریت اسی طریقے پر عمل پیرا تھی۔ اسٹیونس جب

کبھی کوئی نئی کہانی لکھتا اس کا خاکہ تیار کر کے تفصیلات براؤنیز کے لیے چھوڑ دیتا۔ یہ وہ ننھے منے افراد تھے جو خواب میں آ کر اس کام کو مکمل کر دیتے۔ ملٹن اپنی نظم کے مرکزی خیال پر ایک طویل عرصے تک سوچ بچار کرتا۔ اس دوران میں وہ ایک لفظ بھی نہ لکھتا۔ لیکن ذہن برابر اپنے کام میں مصروف رہتا۔ جذبات و احساسات اشعار میں ڈھلتے رہتے اور آخر کسی رات یہ چشمہ بہہ نکلتا۔ وہ آدھی رات کے وقت لڑکیوں کو نیند سے بیدار کرتا اور اشعار قلم بند کروانے بیٹھ جاتا۔ اس قسم کی سوچ لاشعوری سوچ کہلاتی ہے۔ یہ صرف آرٹ اور ادب میں ہی مفید ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ سائنس کی بہت سی الجھی ہوئی گتھیاں اور پیچیدہ مسائل بھی اسی طریقے سے سلجھائے جا چکے ہیں۔

ماضی کا پوسٹ مارٹم

کسی بات یا واقعے کو خود اپنی مرضی سے بھول جانا، ایک بہت بڑا فن ہے۔ نفسیاتی نقطۂ نظر سے یہ خاصی اہمیت رکھتا ہے۔ زندگی میں اگر آپ کامیابی اور خوشی حاصل کرنے کے خواہش مند ہیں تو اس فن میں ضرور دسترس حاصل کیجیے۔ یہ کام شائد اتنا آسان نہ ہو، مگر یقین جانئے مشکل بھی نہیں۔ اس فن میں دسترس حاصل ہو جانے کے بعد انسان نہایت آسانی سے کئی ناگوار یادیں اور تلخ واقعات ذہن سے نوچ کر الگ کر سکتا ہے اور یوں ان کے مضر اثرات سے بخوبی محفوظ رہ سکتا ہے۔

اچھی یادداشت بے شک ایک نعمت ہے۔ زندگی میں ترقی کرنے کے لیے کئی باتیں، معلومات اور تجربات ذہن میں محفوظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ مگر اس کے ساتھ ناخوشگوار باتوں اور ناکامی کی تلخیوں کو بھلا دینے کی صلاحیت بھی کچھ کم اہم نہیں۔ ہر انسان کو اپنے ذہن اور سوچ پر اتنا اختیار ہونا چاہیے کہ وہ جب بھی کوئی واقعہ ذہن میں تازہ کرنا یا بھلانا چاہے ایسا فوراً کر سکے۔ مشاہدے سے پتہ چلتا ہے کہ جن افراد میں بھول جانے کی صلاحیت نہیں ہوتی وہ اکثر گوناگوں مسائل اور دکھوں کا شکار رہتے ہیں۔ کسی خیال یا واقعے کو ذہن سے نکالنے کی شعوری کوشش کبھی کامیاب نہیں

ہوتی۔ اس کے برعکس اس طرح وہ ذہن میں اور زیادہ راسخ ہو جاتا ہے۔ بعض افراد اپنی مضبوط قوت ارادی کے بل پر ناگوار باتوں سے پیچھا چھڑا لیتے ہیں مگر ان کی تعداد بہت کم ہے۔ عام آدمی کے لیے صرف یہ کہہ کر کسی بات کو بھول جانا بہت مشکل ہے کہ ''لو'' اب میں بھول گیا ہوں۔ اس مرحلے پر ایک بار پھر ''نعم البدل'' کا سہارا لینے کی ضرورت ہے۔ جس واقعے یا خیال کو ذہن سے نکالنا مقصود ہے اس کی جگہ کسی اثر انگیز اور پرکشش خیال کا تصور کیجیے۔

ڈاکٹر سیملے بلنٹین امراض دماغی کا مشہور معالج گزرا ہے اس کا مقولہ تھا: ''کام کرلو کھڑے ہو جاؤ۔'' ان چند الفاظ میں نصیحت اور حکمت کا انمول خزانہ پوشیدہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو مسئلہ یا کام درپیش ہو اس پر اپنی لیاقت اور استعداد کی حد تک خوب اچھی طرح غور و فکر کر کے نتیجہ خدا کے سپرد کر دیجیے آپ اپنی سی پوری کوشش کر چکے ہیں۔ مزید پریشانی اور غور و فکر سے اپنے آپ کو جھنجھلاہٹ میں مبتلا کرنے کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔

ہنری فورڈ 75 سال کا تھا تو کسی نے اس کی اچھی صحت کا راز پوچھا، کہنے لگا: ''تین باتیں ہیں، میں نہ تو زیادہ کھاتا ہوں نہ زیادہ فکر و تردد کرتا ہوں اور جب کسی بات کا پورا علم اور تجربہ صرف کر لیتا ہوں تو مجھے یقین کامل ہو جاتا ہے کہ اس کوشش کا جو بھی نتیجہ نکلے گا وہ لازماً اچھا اور بہترین ہوگا۔ آپ بھی ان سنہری اصولوں کو اپنانے کی کوشش کیجیے۔ ماضی کا پوسٹ مارٹم کرنے سے سوائے دکھ اور پریشانی کے اور کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ اس کی تلخیاں فراموش کر کے خوب سے خوب تر مستقبل کی جستجو کیجیے۔ کئی نئی باتیں آپ کی توجہ کی منتظر ہیں۔ ماضی کا بوجھ ذہن پر لاد کر چلیں گے تو قدم ڈگمگا جائیں گے اور زندگی کی دوڑ میں بہت پیچھے رہ جائیں گے۔

زاویۂ نظر

زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے پریشانیوں سے دامن بچانا ضروری ہے۔ یہ کام زیادہ مشکل نہیں۔ جن باتوں سے جذبات مجروح ہوتے یا ذہن میں پریشانی اور

پراگندگی راہ پاتی ہے ان پر مطلق توجہ نہ کیجیے۔ انہیں نظر انداز کرنے کے عادی بنیے۔ اس کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ جب کبھی پریشان ہوں۔ کسی خوبصورت اور سہانے قدرتی منظر کا تصور کیجئے۔ کوئی خوشگوار واقعہ یا پڑھا ہوا ہلکا پھلکا لطیفہ یاد فرمایئے۔ پریشانی کے بادل خود بخود چھٹ جائیں گے۔ کام کرتے وقت اس عمل کو گاہے بگاہے دہراتے رہیے خوشگوار تصورات اور حسین مناظر اس طرح آپ کے ذہن پر نقش ہو جائیں گے کہ پھر گرد و پیش سے لاتعلق ہونے میں آپ کوئی دقت محسوس نہ کریں گے۔ ایک مشہور دانشور کا قول ہے۔ ''لاتعلق ذہن بڑی سے بڑی مصیبت کے وقت بھی سراسیمگی اور افراتفری کا شکار نہیں ہوتا۔ اس کی مثال اس گھڑی کی سی ہے جو طوفان برف و باد میں بھی برابر اپنے کام میں مصروف رہتی ہے۔''

ایک دلچسپ واقعہ یاد آ گیا۔ میرے ایک دوست سرکاری محکمے کے اعلیٰ انتظامی عہدے پر فائز ہیں۔ ان پر ہمیشہ اعتراضات کی بوچھاڑ ہوتی رہتی ہے مگر میں نے انہیں کبھی پریشان یا ہراساں نہیں دیکھا۔ ایک بار باتوں باتوں میں اس کی وجہ پوچھی تو ہنس پڑے اور بولے! تم نے میری طرف ایک انگلی اٹھائی ہے مگر باقی تین انگلیاں خود تمہاری طرف اشارہ کر رہی ہیں۔ بس یہی راز ہے میرے پریشان نہ ہونے کا ہے۔ لوگ جب مجھ پر ایک انگلی اٹھاتے ہیں تو مجھے اس حقیقت کا بخوبی علم ہوتا ہے کہ باقی تین انگلیاں میری حمایت میں خود ان کے ذاتی نقائص اور خامیوں کی طرف اشارہ کر رہی ہیں اب تم ہی بتاؤ ایسی صورت میں کسی کی بات کا برا کیوں مانوں؟

یہ بہت اچھا نکتہ ہے اسے ذہن نشین کر لیجئے۔ آئندہ جب کوئی شخص آپ پر تنقید کرے تو اس نکتے کو فوراً ذہن میں تازہ کر لیجئے اور سوچئے اس کی ایک انگلی آپ کی طرف اٹھی ہے مگر باقی تین انگلیاں خود اس کے اپنے کردار کی خامیوں کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔

کامیابی اور ذاتی پریشانیاں

ہر پریشانی اپنے اندر ہی اپنا حل رکھتی ہے۔

مشہور امریکی مفکر اسٹینلے آرنلڈ نے جب یہ بات کہی تھی تو اسے وہ مقام نہیں ملا تھا جو آج حاصل ہے۔ ہماری نظر میں اسٹینلے آرنلڈ کی یہ چھوٹی سی بات سنہرے الفاظ میں تحریر کئے جانے کے لائق ہے۔ جو پریشان حال، مصیبت زدہ لوگوں کی زندگی کو یکسر پلٹ دینے کی طاقت رکھتی ہے۔ یہ چند الفاظ اپنے اندر ایسا جادو رکھتے ہیں جو دکھوں کے ماروں کو ہزاروں من وزنی بوجھ سے آزاد کروا سکتے ہیں۔ لیکن کیا واقعی ہر مصیبت اپنے ساتھ سلجھاؤ بھی لاتی ہے۔ زیر نظر مضمون میں ہم اس کا تجزیہ کریں گے۔

تمام دنیا میں اگر کبھی مصیبت کے موضوع پر ریفرنڈم کرایا جائے تو یقیناً اس کے خلاف اتنے ووٹ پڑیں گے کہ ان کی گنتی شمار کرنے والوں کے لیے ایک مصیبت بن جائے گی۔ جبکہ اس کے وجود کی حمایت میں بمشکل چند سو یا ہزار ہی اپنی رائے کا اظہار کریں گے۔ ہماری نظر میں یہ چند سو یا چند ہزار ہی مثبت سوچ رکھتے ہیں کیونکہ مصیبت قہر خداوندی نہیں نعمت خداوندی ہے۔ خدا اپنے پسندیدہ بندوں کو ہی اس سے نوازتا ہے اور ان سے نبرد آزما ہونے پر انعام و اکرام عطا کرتا ہے۔ اگرچہ یہ باتیں کسی حد تک ناقابل یقین سی لگتی ہیں اور عین ممکن ہے کہ کوئی شخص ایسی باتیں کرے تو آپ اس کی صحیح الدماغی پر شک کریں۔ لیکن فی الحقیقت کچھ ایسا ہی ہے اور اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

آیئے ہم اپنی بات کی وضاحت کرتے ہیں۔ تصور کیجئے کہ خدا تعالیٰ آپ کو ایک ایسی چیز یا قدر سے نوازنا چاہتا ہے جو اس کے خزانے میں بیش بہا اہمیت رکھتی ہے تو اس کے لیے خدا کیا طریقہ اختیار کرے گا؟ کیا وہ اسے سونے کے طشت میں رکھ کر آپ کے سامنے پیش کر دے گا، یا کسی فرشتے کے ذریعے چلتی بس میں آپ کو تھما دے گا؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ خدا اس معاملے میں اپنے بندے پر تھوڑی سی سختی کرتا ہے اور ذرا دشوار راستہ منتخب کرتا ہے۔ وہ اس قیمتی چیز کو کسی مصیبت، جان جوکھوں میں ڈالنے والی

پریشانی یا خونخوار بلا جیسی تکلیف کے قلب میں رکھ دیتا ہے اور پھر صبر و سکون سے آپ کو اپنا راستہ بناتا ہوا دیکھتا ہے آپ پر پریشانی مسلط ہوتی ہے تو دیوانہ وار آپ اس کے حل کی طرف بھاگتے ہیں۔ کوشش کرتے ہیں اور غور و فکر کر کے کوئی ایسی راہ نکال لیتے ہیں جو اس پریشانی کو جڑ سے ختم کر دے۔ خدا آپ کی اس تمام جدوجہد کا بغور مطالعہ کرتا ہے اور جب آپ راستے کی تمام تکالیف، صعوبتوں کو جھیلتے ہوئے مشکل کے قلب تک پہنچ جاتے ہیں تو خدا تعالیٰ آپ کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دیتا ہے۔ اگر سمجھئے تو خدا کا انعام ایک ایسا گوہر آبدار ہے جو پریشانیوں کے سمندر کے وسط میں پڑا آپ کا منتظر ہوتا ہے اور آپ کی ذرا سی مثبت کوشش اس موتی کو باہر کھینچ لاتی ہے۔

دنیا میں بے شمار افراد ایسے ہیں جن کی سب سے بڑی خواہش پریشانی سے مبرا زندگی ہے۔ ایسے لوگ آپ نے عام دیکھے ہوں گے ان کی سب سے بڑی پہچان وہ ''ہائے ہائے'' ہے جو ہمہ وقت ان کے منہ بلکہ تمام جسمانی اعضاء سے برآمد ہوتی رہتی ہے۔ اگر بیٹھے ہیں تو ''ہائے''۔ لباس بدلنے لگے تو ''ہائے'' حتیٰ کہ پانی پینے کے بعد بھی گہری سانس لے کر دردناک ''ہائے'' یہ ''ہائے'' ان کی زندگی کا محور ہوتی ہے اور یہ اس ''ہائے'' کے اس قدر عادی ہو جاتے ہیں کہ جب تک کوئی المناک آواز اپنے منہ سے نہ نکال لیں بس انہیں اپنا کام ادھورا محسوس ہوتا ہے۔ ''ہائے'' کے مارے ہوئے یہ لوگ اکثر کہتے ہیں۔ ''ہائے'' کتنا اچھا ہوتا اگر زندگی تھوڑی سی آسان ہوتی نہ اتنی زیادہ مشکلیں ہوتیں نہ پریشانیاں۔ بس مزے سے جیتے رہتے اور زیادہ مزے میں تو اس وقت ہوتے جب کوئی مشکل ہی نہ ہوتی۔ ہائے! خدا نے میرے ساتھ ہی ایسا ظلم کیوں کیا؟ یہ لوگ اپنی خود ساختہ دردناک زندگی کے متعلق سوچتے رہتے ہیں۔ اور دوسروں کو بھی اپنا فسانۂ غم سنانے سے نہیں چوکتے۔ لیکن کیا واقعی خدا نے بندوں کو پریشانیاں عطا کر کے ان پر ظلم کیا ہے؟ اگر پریشانیاں نہ ہوتیں تو کیا ہم بہت خوش ہوتے؟ کیا زندگی میں غم کی غیر موجودگی دنیا کو واقعی جنت نظیر بنا دیتی؟ ان سوالات کا جواب میرے ساتھ پیش آنے والے واقعے نے نہایت سادگی سے دے دیا۔

مشاہد حسین ہمارے دفتر ہی میں کام کرتے تھے یہ اب سے کوئی چار پانچ سال قبل کی بات ہے جب ہم سب ایک دفتر میں چھوٹے چھوٹے عہدوں پر کام کرتے تھے۔ دوستی اور بے تکلفی کے ناطے سارے افراد آپس میں ہر وقت ہنسی مذاق اور جملے بازی کرتے رہتے لیکن مشاہد حسین اپنی کرسی پر چپ اکیلا بیٹھا یا تو ٹائپ رائٹر پر بے مقصد انگلیاں چلاتا رہتا تھا یا سر جھکائے سوچتا رہتا تھا۔ اگرچہ میں نے کبھی مشاہد حسین کے نجی معاملات میں دخل اندازی کی کوشش نہیں کی تھی پھر بھی مجھے معلوم تھا کہ حد سے زیادہ سختیوں اور پریشانیوں نے اس کا مزاج تبدیل کر کے رکھ دیا ہے اس لیے کبھی کبھار میں اس کی خیریت دریافت کر لیتا تھا اور تھوڑا ہنس بول لیتا تھا۔ دن گزرتے گئے اور تھوڑے عرصے بعد میں نے دفتر چھوڑ کر اپنا کاروبار جما لیا۔ مشاہد حسین کی مجھے کوئی اطلاع نہیں تھی کہ وہ کیسا ہے اور کس حال میں ہے۔ کئی سالوں بعد ایک شام وہ صدر کے علاقے میں مجھ سے ٹکرا گیا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے سارے بال سفید ہو چکے تھے اور چہرے پر تفکرات نے جیسے مستقل ڈیرہ جمایا ہوا تھا۔ سلوٹوں بھرے لباس اور دھندلی آنکھوں والے مشاہد حسین کو دیکھ کر مجھے بہت دکھ ہوا تاہم میں نے اپنے خیالات کا اظہار نہیں کیا اور بڑے خلوص سے پوچھا ''کیا حال ہیں مشاہد حسین صاحب؟ سب خیر خیریت ہے؟''

مگر روزمرہ زندگی کا یہ چھوٹا سا سوال ہی میرا قصور بن گیا اور چند لمحوں بعد مجھے یہ احساس ہونے لگا کہ اگر میں نے مزید چند لمحے اس کے ساتھ اور گزار دیئے تو یقیناً کپڑے پھاڑ کر اور سر میں مٹی ڈال کر جنگلوں کی طرف نکل جاؤں گا۔ مشاہد حسین نے غم واندوہ کے فسانے شروع کئے تو بلا مبالغہ پندرہ منٹ تک بولتا رہا۔ مجھے لگ رہا تھا کہ جیسے میں نے کسی رکے ہوئے دریا کے سامنے سے بند ہٹا دیا ہے اور اگر میں یونہی احمقوں کی مانند کھڑا رہا تو اس کے فسانے ختم نہ ہوں گے مگر میری سماعت ضرور تباہ ہو جائے گی۔ اس کی باتوں میں وہ تمام روزمرہ کی باتیں تھیں جنہیں میں معمول کی سرگرمیاں سمجھتا ہوں، مگر وہ مشاہد حسین کے لیے سزا سے کم نہ تھیں اور اس کی زندگی اور

موت کا مسئلہ بنی ہوئی تھیں۔ وہ ہر چیز سے پریشان تھا اور ان پریشانیوں سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش زندگی سے فرار تھی۔

اپنی انتہائی برداشت تک میں نے اس کی تقریر سننے کی کوشش کی پھر تنگ آ کر پوچھا ''مشاہد صاحب آخر آپ پریشانیوں سے زندگی سے فرار کیوں چاہتے ہیں؟''

''اس لیے کہ مجھے لگتا ہے اگر میرے اعصاب پر چند دن اور یہ پریشانیاں سوار رہیں تو شاید میں پاگل ہو جاؤں۔'' اس نے کہا۔ ''زندگی کی ابتدا سے لے کر آج تک مجھے ان کے علاوہ کچھ نہیں ملا انہوں نے میرا گھر برباد کر دیا، میرا ذہنی سکون لوٹ لیا اور آج میں اچھی خاصی مالی حیثیت رکھنے کے باوجود سکون کی تلاش میں دربدر کی ٹھوکریں کھاتا پھر رہا ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کس سے شکایت کروں؟ کون میری مشکلات دور کر سکتا ہے؟ مجھے تو اب اپنی دعاؤں پر بھی اعتبار نہیں رہا۔'' یکدم میرے ذہن میں ایک نئے خیال نے سر ابھارا۔ مجھے مشاہد حسین کی خدمت کرنے کا ایک نہایت موزوں راستہ بجھائی دیا تھا۔ ''مشاہد صاحب۔ اگر آپ ناراض نہ ہوں تو میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ مشاہد نے چونک کر مجھے دیکھا۔

''آپ کی بڑی مہربانی ہو گی آفتاب صاحب۔'' اس نے گرمجوشی سے میرے ہاتھ پکڑ لیے۔ ''میں آپ کا یہ احسان ساری زندگی نہیں بھولوں گا۔ مجھے بس ایک مرتبہ اس پریشان کن زندگی سے نجات دلا دیجئے۔ میں آپ کو اس کا معقول معاوضہ ادا کروں گا۔'' میں نے حامی بھر لی اور اگلے دن اسے اپنے گھر بلا لیا۔ وہ میرے گھر پہنچا تو خاصا پرجوش دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے اسے ساتھ لیا اور گاڑی میں بٹھا کر باہر آ گیا۔ میرا رخ ایک نسبتاً سنسان علاقے کی طرف تھا۔ مشاہد حسین نے کئی بار اپنی منزل جاننے کی کوشش کی مگر میں باتوں میں ٹال گیا شاید وہ اپنی منزل کو پسند نہ کرے مگر میری نظر میں پریشان حال زندگی سے تنگ آئے ہوئے لوگوں کی اس سے بہترین کوئی جگہ نہ تھی۔ ۔ ۔ یا دالے لاشعوری طور پر اسے پسند نہیں کرتے اور میں بھی اس کے قریب نہیں پھٹکتا تھا۔ مگر مشاہد حسین کی پسندیدہ منزل وہی تھی میں نے اپنی کار ایک

قبرستان کے دروازے پر روک دی۔ مشاہد حسین یوں اچھلا گویا کسی بارود کے ڈھیر میں چنگاری دکھا دی گئی ہو۔

''کک...... کیا مطلب ہے آپ کا؟ کیا میری مراد یہاں سے پوری ہو گی؟ آپ کا دماغ تو درست ہے؟'' میں نے سکون سے اس کی طرف دیکھا۔

میرا دماغ صحیح حالت میں کام کر رہا ہے مشاہد حسین صاحب، اور اپنی ناقص رائے میں صرف یہی وہ پرسکون اور خوش حال جگہ ہے جہاں کے لوگوں کو کوئی پریشانی نہیں ہے زندگی کی دشوار گزاریاں ان کے لیے تمام ہو چکیں یہ اب آرام سے لیٹے ہوئے دوسروں کا انتظار کر رہے ہیں۔ انہیں کوئی غم، کوئی الم نہیں، نہ افریقہ میں قحط کا، نہ گوشت کی قیمتیں بڑھنے کا، نہ بڑی لڑکی کی شادی ان کے لیے مسئلہ ہے، نہ چھوٹے لڑکے کا داخلہ، قدرت نے انہیں سکون کا سرٹیفکیٹ دے دیا ہے اور اس بات کی ضمانت دی ہے کہ اب یہ لوگ خوش و خرم ترین لوگ ہیں۔ کیا آپ ایسے لوگوں میں شامل ہونا پسند نہیں کریں گے؟ میں نے پوچھا۔

''میں تو آپ کو خاصا معقول آدمی سمجھتا تھا آفتاب صاحب۔'' مشاہد حسین نے غصے سے کہا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ ''مجھے پتہ نہیں تھا کہ پاگلوں کے سر پر سینگ نہیں ہوتے۔'' میں نے قہقہہ لگایا اور دور جاتے ہوئے مشاہد حسین کو آواز لگائی۔ ''مشاہد صاحب۔ شکر کیجئے کہ آپ پریشانیاں رکھتے ہیں۔ یہ آپ کے زندہ ہونے کا ثبوت ہے۔ سوچئے اگر آپ کو کوئی پریشانی نہ ہوتی تو آپ بھی شاید یہیں کہیں لیٹے ہوتے۔'' وہ مڑے بغیر سیدھا چلتا چلا گیا۔ میں اپنے گھر واپس آ گیا۔ مجھے اپنے تجربے کے اثرات کے بارے میں کچھ علم نہ تھا۔ لیکن کچھ عرصے بعد ایک اور پرانے ساتھی نے بتایا۔ ''مشاہد حسین آفس یونین کا صدر بن گیا ہے۔ نہ جانے کچھ عرصے سے اس میں کیا تبدیلی آئی ہے کہ اب دفتر میں اس سے زیادہ باتونی اور خوش مزاج شخص کوئی نہیں اور اب تو اس نے بال بھی رنگنے شروع کر دیئے ہیں۔'' میں خاموشی سے مسکرا دیا۔

مشکلات، بھرپور زندگی کی علامات

مندرجہ بالا واقعہ کے بیان سے ہمارا مقصد صرف ایک بنیادی بات کو ثابت ک
تھا۔ یعنی مشکلات قہر خداوندی نہیں بلکہ نعمت خداوندی ہیں۔ یہ زندگی کی علامت ہیں
بقاء کے لیے آگ، پانی، ہوا، مٹی کی طرح بنیادی عنصر ہیں۔ مشکلات وہ بھٹی ہیں ج
میں تپ کر سونا کندن بن جاتا ہے اور ان کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم یقیناً یہ ک
میں حق بجانب ہوں گے کہ جتنی مشکلات میں آپ گرفتار ہیں اتنے ہی زندہ کہ
سکتے ہیں۔ ایک شخص جو دس بڑی بڑی جناتی سائز کی خون خشک کر دینے والی مشکلا
میں گرفتار ہے اس مطمئن، پرسکون اور کاہل شخص کے مقابلے میں دگنا زندہ ہے، ج
کوئی پریشانی لاحق نہیں یا جسے روز مرہ کے چھوٹے چھوٹے مسائل درپیش
نہیں۔ درحقیقت مسائل نہ ہونا بھی منطقی پیمانوں میں سے ایک مسئلہ ہے۔ جس ک
طرف آپ کو فوری توجہ دینی چاہیے۔ اگر آپ کو کوئی پریشانی نہیں ہے تو آپ خطر
میں ہیں۔ آپ میں زندگی کی مقدار کم سے کم ہوتی جا رہی ہے۔ لہٰذا بھاگے
دوڑیے۔ اپنے لیے مشکلات پیدا کیجیے مشکلات پیدا کرنے سے مراد یہ نہیں کہ کسی س
لڑائی جھگڑا کیا جائے اور مار پٹائی کے بعد نوبت پولیس تھانے تک پہنچ جائے اور آپ
مشکلات میں گرفتار ہو جائیں۔ مشکلات پیدا کرنے سے مراد ہے نئے چیلنج قبول
کیجیے۔ ایسے مثبت اور تعمیری کام سرانجام دینے کی کوشش کیجیے جو آپ اپنی بساط س
باہر سمجھتے ہوں۔ اگر پھر بھی کام نہ بنے تو خدا سے گڑگڑا کر دعا مانگیے۔ اس س
درخواست کیجیے کہ وہ آپ کی صلاحیتوں پر بھروسہ کرے آپ کو ناکارہ آدمی تصور کر کے
یونہی نہ پڑا رہنے دے۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ مشکلات آپ کے سر پر ڈال دے۔

بقول ایک مسلمان:۔

آج کے زمانے میں خدا سے ''مشکلات'' کے لیے دعا یقیناً مضحکہ خیز امر معلوم

ہوتا ہے لیکن آپ مسلمانوں کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں نے کبھی اپنے لیے خدا سے آرام طلبی، عیش اور سہل پسندی کے لیے دعا نہیں کی۔ بلکہ ہمیشہ آگے بڑھ کر مصیبتوں کو خوش آمدید کہا اور انہیں بڑے خلوص سے گلے لگایا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک زمانے میں ان کے نام کا ڈنکا چہار دانگ عالم میں گونج رہا تھا اور دنیا کی بڑی سے بڑی اقوام ان کے جذبۂ ایمانی، عزم اور استقلال کے آگے ہتھیار پھینک چکی تھیں۔ یہ مسلمان آرام کو اپنے اوپر حرام سمجھتے تھے۔ شب و روز محنت ان کا شعار تھی۔ نہ جانے کیسے کیسے معرکے انہوں نے محض اپنی اسی صلاحیت کی بناء پر جیتے کہ کوئی بھی مسلمان پیٹھ دکھا کر نہیں بھاگتا تھا۔ خود ہمارے نبی ﷺ تمام غزوات میں عام صحابہؓ کے شانہ بشانہ لڑے اور دیگر انسانوں کی مانند جسم پر زخم کھائے۔ اگرچہ فرشتوں نے آپ ﷺ کو مدد کی پیشکش کی اور کہا کہ حکم ہو کہ احد کے پہاڑوں کے درمیان کفار کو پیس دیا جائے۔ لیکن آپ ﷺ نے منع فرما دیا آپ ﷺ نے کبھی مسلمانوں کو مجاہدانہ زندگی بسر کرنے سے منع نہیں فرمایا اور ہمیشہ تلقین کی کہ ہر شخص کو اتنا ہی ملے گا جتنی کہ اس نے کوشش کی۔

آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ ہمارے لیے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور اصحابہؓ کے اسوۂ حسنہ ہمیں اخلاق و کردار کی بلندیوں تک پہنچا سکتے ہیں لیکن کیا وجہ ہے کہ آج ہم اپنے اسلاف کو چھوڑ کر مغرب کے مادہ پرست مفکرین کی طرف اصلاح کے لیے ہاتھ پھیلائے بیٹھے ہیں؟ آج ہم مسائل کے حل کے لیے ان سے مشورے مانگتے ہیں اور جب کام نہ بنے تو تقدیر پر الزام ڈال کر پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ ہم ناکامی کو خدا کی رضا سمجھ کر خاموش ہو جاتے ہیں۔ لیکن کیا واقعی خدا اپنے بندوں کو ناکام کرنا چاہتا ہے؟''

کسی ماں سے پوچھا جائے کہ وہ اپنی اولاد کو قتل کرنا چاہتی ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ خدا سے زیادہ ہم سے محبت کسی کو نہیں ہو سکتی۔ تو پھر خدا ہمارے کام کو تباہ کیوں کرے گا؟ وہ کیوں ہمیں ناکام، نامراد، مایوس رکھے گا۔ ناکامی کو خدا کی رضا یا تقدیر سے منسوب کرنا یقیناً کج فہمی پر مبنی ہے۔ خدا تو ہر شخص کی زیادہ سے زیادہ مدد کرتا ہے۔ بندہ محنت

کرے تو وہ اس کو کئی گنا زیادہ اجر سے نوازتا ہے۔ ہمارے بزرگوں نے اس حقیقت کو پہچان لیا تھا اور غور و فکر کر کے محنت کی عظمت شناخت کر لی تھی۔ انہوں نے جان لیا تھا کہ کائنات کا خمیر مشکلات سے گوندھا گیا ہے صرف اس لیے کہ انسان کو مضبوط بنایا جائے اس کے ارادے کو اتنا بلند کر دیا جائے کہ وہ زندگی کی سخت سے سخت پریشانی کا بھی مردانہ وار مقابلہ کر سکے۔ اور زمین پر اپنے آپ کو خدا کا صحیح خلیفہ ثابت کر سکے۔

ہمارے بزرگ یہ بھی جانتے تھے کہ انسان کو قوی اور طاقتور بنانے کا واحد طریقہ جدو جہد ہے۔ انسان کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتیں صرف اسی وقت ابھر کر سامنے آتی ہیں جب اسے مشکلات، رکاوٹوں، تکالیف کا سامنا ہو۔ اس کی ذہنی استعداد مثبت طریقۂ زندگی اور فکر کا اندازہ ہمیشہ دور ابتلاء میں ہی لگایا جا سکتا ہے۔ درحقیقت ایک شخص اپنی ذہنی صحت کا اندازہ اس عمل سے لگا سکتا ہے جو مشکلات واقع ہونے کے بعد اس نے ظاہر کیا تھا۔ اگر وہ سر پر پڑنے والی آفت کے نتیجے میں آہ وفغاں کرتا ہے، چیخ و پکار مچاتا ہے اور خدا سے اس ''بے انصافی'' پر احتجاج کرتا ہے، تو ماہرین نفسیات کی تشخیص کے مطابق اسے علاج اور امداد کی ضرورت ہے لیکن اگر کوئی فرد مصیبت کو سکون سے قبول کر لیتا ہے اور اسے زندگی کا حصہ سمجھ کر حل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو ایسے شخص کی ذہنی حالت اطمینان بخش ہے اور وہ زندگی گزارنے کے لیے مناسب سوچ اور حوصلہ رکھتا ہے بعض غیر معمولی مثالوں میں افراد اپنے آپ کو مصیبت کا ہم پلہ سمجھ کر صرف اسے حل کرنے کی ہی کوشش نہیں کرتے بلکہ اس کا رخ موڑ کر اس کے منفی اثرات کو مثبت اثرات میں تبدیل کر کے اپنے لیے فائدہ مند بھی بنا لیتے ہیں۔ ایسے شخص کی ذہانت اور جرأت کا معیار عام آدمی سے ٹکرا جانے کا فولادی عزم موجود ہوتا ہے۔ اگر غور کیجیے تو بلند ذہانت اور عزم کا معیار وہ ماں کے پیٹ سے لے کر نہیں آیا تھا۔ بلکہ اس نے ماحول پر غور کر کے اپنے آپ کو ایسے سانچے میں ڈھال لیا جو ہر ناممکن کو ممکن بنا دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ایسے لوگ کسی دوسری دنیا کے باشندے نہیں ہوتے۔ ہمارے درمیان کے ہی لوگ ہوتے ہیں لیکن دوسروں سے مختلف۔

آپ مشکل میں مبتلا ہیں؟ مبارک باد!

یہ واقعہ بھی زندگی کے ان بے شمار واقعات میں سے ایک ہے جنہوں نے میری سوچ کے دھارے کو تبدیل کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ اور زندگی کا ایک حقیقی انداز اختیار کرنے میں مدد دی تھی۔ ایک دن علی الصبح جب کہ شائد مرغ نے اذان بھی نہیں دی تھی۔ میرے ٹیلیفون کی گھنٹی بجی اور ایک ایسی روح فرسا خبر ملی کہ میرے دیوتا کوچ کر گئے خبر کاروبار کے متعلق تھی۔ ایک لمحے کے لیے میں چکرا کر رہ گیا کہ اب کیا ہو سکتا ہے۔ صورتحال بڑی نازک تھی اور میری ذرا سی بھی تاخیر معاملے کو مزید بگاڑ سکتی تھی ہوئے غور و فکر کے بعد بھی جب کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو میں نے اپنے ایک دوست کو فون کیا اور تمام صورتحال واضح کر کے ان سے مشورہ طلب کیا۔ لیکن دوسری طرف سے جو جواب آیا وہ مزید حیران کن تھا۔ اس نے کہا۔

''مبارک ہو۔'' میں ہکا بکا رہ گیا اور تیزی سے بولا۔

'' بکواس مت کرو۔ میری جان پر بنی ہے اور تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے۔''

''اگر تمہاری جان پر بھی بنی ہوئی ہے تو دوبارہ مبارک ہو۔'' اس نے کہا۔ ''لیکن ایک بات ہمیشہ یاد رکھو۔ ہر تخریب اپنے اندر تعمیری پہلو بھی رکھتی ہے۔''

پھر اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں نے درپیش مشکل کا بھرپور مطالعہ اور تجزیہ کر لیا ہے؟ اگر ہاں تو اس سائنسی اور حقیقی سوچ کا کتنا عمل دخل تھا؟ کیا اس تجزیہ سے میں پریشانی کی نوعیت کا اندازہ لگانے میں کامیاب ہو چکا ہوں؟ یا صرف اس لیے ہمت ہار بیٹھا ہوں کہ وہ دور سے ہی ناقابل شکست نظر آتی ہے؟

اب ہم اس مسئلے کی طرف آتے ہیں۔ اس نے کہا۔ ''سب سے پہلے تو مسئلہ کو مختلف حصوں میں تقسیم کر دو۔ سوچو، غور کرو، اس میں کیا غلط ہے؟ تم نے کس موڑ پر کیا غلطی کی تھی اور اب وہ غلطی کس طرح دور کی جا سکتی ہے۔ پھر ان سارے حل شدہ حصوں کو دوبارہ ایک ایک کر کے جوڑتے جاؤ۔'' اس نے مجھ سے مسئلے کے متعلق تمام ضروری

معلومات اور باتیں حاصل کر لیں اور مندرجہ بالا تمام باتوں پر عمل کرتے ہوئے ایک ایسا سادہ اور منطقی سا تجزیہ پیش کر دیا۔ جس نے خرابی اور خامی کو میرے اوپر واضح کر دیا پھر اس نے مسئلے کا حل بھی بتایا اور مجھے افسوس ہونے لگا کہ اتنی سامنے کی باتوں کو بھی میں نے نظر انداز کر دیا تھا وہ مسئلہ جو میری دانست میں حل نہیں ہو سکتا تھا یوں چٹکی بجانے میں سلجھ گیا۔ بعد ازاں غور کرنے پر میں نے محسوس کیا کہ مسئلے کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے حل کرنا زیادہ فائدہ مند اور کارآمد ہے کیونکہ اس کے ذریعے ایسے ایسے ضمنی پہلو بھی سامنے آتے رہتے ہیں جن پر بحیثیت مجموعی نظر نہیں پڑتی اور وہ بعد میں منظر پر نمودار ہو کر زیادہ تباہی پھیلاتے ہیں۔ میرے دوست نے بعد میں کہا۔

''اپنے مسئلے کو ہمیشہ سمجھنے کی کوشش کرو۔ اسے وہ حیثیت دو جو کسی عزیز دوست کو دی جاتی ہے۔ عزت، محبت، احترام اس کا حق ہے۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو یادہ تمہارا دشمن ہو جائے گا یا تم اس کے دشمن ہو جاؤ گے۔ چھری خربوزے پر گرے یا خربوزہ چھری پر۔'' دونوں حالتوں میں نقصان خربوزے کا ہی ہوتا ہے لہٰذا کبھی بھی چھری کو اپنا دشمن نہیں بناؤ اس سے مل ملا کر کام نکالنے کی کوشش کرو۔'' میں نے اس کے خربوزہ کہنے کا آج تک برا نہیں مانا۔

دنیا کے تمام نمایاں اور کامیاب افراد نے ہمیشہ ایک خاصیت اپنے اندر ضرور قائم کی ہے۔ وہ مصائب کے آگے ہتھیار نہیں ڈالتے، خوفزدہ نہیں ہوتے، بلکہ ٹھنڈے دل و دماغ سے ان کا مشاہدہ کرتے ہیں اور حقیقی انداز میں اس کے تمام پہلوؤں کا گہری نظر سے جائزہ لیتے ہیں۔ اگر مسئلہ حل نہ ہو تو کسی ایسے فرد سے رابطہ قائم کرتے ہیں جو ایسی ہی صورت حال سے گزر چکا ہو۔ وہ کسی ماہر ڈاکٹر کی طرح مسئلہ چیر پھاڑ کر کے رکھ دیتے ہیں تا کہ ان کا اندرون بیرون سب جان سکیں۔ یہ چیر پھاڑ ہی انہیں حقیقی مسئلے کی طرف لے جاتی ہے اصل شے حقیقی مسئلہ ہے۔ اگر آپ حقیقی مسئلہ کی بابت جان گئے تو سمجھئے آپ کی کوئی مشکل، مشکل نہیں رہے گی۔ آپ بڑی سے بڑی پیچیدہ اور نازک صورتحات سے یوں باہر نکل آئیں گے جیسے کبھی اس میں

...ث ہی نہ تھے۔ مشکلات سے ٹکراؤ کے لیے ضروری ہے کہ آپ کو انسانی نفسیات پر ...ی تھوڑا بہت عبور حاصل ہو۔ ہماری روزمرہ کی زندگی میں حائل یا پیدا شدہ بیشتر ...شکلات کا تعلق انسانوں سے ہی ہوتا ہے اور یہ انہی کے دم سے وجود میں آتی ...یں۔ لہٰذا لوگوں سے نپٹنے کے گر سیکھئے۔ یہ گر سیکھنا کوئی اتنا زیادہ مشکل کام نہیں۔ اس ...کے لیے صرف ایک مستعد اور چوکس دماغ کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایک ایسا دماغ جو ...ہر لحہ اپنے اطراف میں ماحول پر نظر رکھ سکے اور لوگوں کے کردار و عمل کا تجزیہ کر سکے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ ان اعمال سے مطلوبہ نتائج بھی اخذ کر سکے اور انہیں یاد رکھ سکے۔ انسان کا زندگی کے تجربات سے اخذ کردہ تجربہ ہی اصل اہمیت کا حامل ہوتا ہے ...وران سے اسے وہ فرق سمجھنے میں مدد ملتی ہے جو کتابی اور حقیقی دنیا میں پایا جاتا ہے۔ ...ے اطراف میں بے شمار ایسے افراد کی مثالیں موجود ہیں۔ جنہوں نے اسکولوں ...الجوں سے بڑی بڑی ڈگریاں تو حاصل نہیں کیں لیکن ان کا مطالعہ اس قدر گہرا، اور ...وچ اتنی وسیع ہے کہ بہت سے عالم فاضل افراد ان کے آگے پانی بھرتے نظر آتے ہیں۔ ایسے ہی ایک انگوٹھا چھاپ مگر کروڑ پتی سیٹھ نے ایک مرتبہ مجھ سے کہا تھا۔

ہر دل کی طرح ہر مشکل بھی اپنے اندر ایک نازک گوشہ رکھتی ہے۔ اگر تم مشکل کو حل کرنا چاہتے ہو تو اس نرم گوشے کو ڈھونڈو۔ ابتر حالات میں اپنے دماغ کو استعمال کرو۔ ہر وہ چیز حاصل کرو جو تمہاری مشکل آسان کر سکتی ہو۔ یہاں تک کہ تم یہ خود ہی محسوس کرنے لگو گے کہ جو کچھ تم جانتے ہو اس سے زیادہ حاصل کرنا ممکن نہیں۔ پھر جو کچھ تم جانتے ہو اس کی مدد سے اپنی مشکل کا نازک گوشہ تلاش کرو اور اس کو مختلف حصوں میں تقسیم کرو۔ تم خود دیکھو گے کہ اس کے بعد کام کچھ مشکل نہیں رہے گا۔

سوچئے! ہر مشکل میں

مشکلات حل کرنے کا دوسرا طریقہ ''غور و فکر'' ہے۔ سوچئے، اپنے ذہن کو دوڑائیے۔ اسے بے لگام چھوڑ دیجئے تا کہ وہ معاملہ کے ہر طرف چکراتا پھرے

اورآپ کونت نئی جگہوں سے متعارف کراتا رہے۔آپ یقیناً ہر مشکل کا حل تلاش کر سکتے ہیں۔ شرط صرف یہ ہے کہ آپ مستقل مزاجی اور تحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ اگر آپ نے ان دونوں شرائط کو پورا کر دیا تو سمجھئے کہ ہر مسئلے کا حل گویا منٹوں کا معاملہ ہے۔آپ کا سب سے بڑا ہتھیار ”دماغ“ ہے اسے مسائل کی جنگ میں دشمنوں کے خلاف استعمال کیجئے۔یہ ہر قسم کے حالات میں آپ کا ساتھ دینے کی بھرپور اہلیت رکھتا ہے لہٰذا اسے ہر دم اپنے ہمراہ رکھیں۔

تھامس اے ایڈیسن، بلب کے علاوہ تقریباً بارہ سو ایجادات کے موجد نے ایک مقام پر کہا تھا۔ ”بدن کی اہمیت کی بنیادی وجہ صرف اتنی ہے کہ یہ دماغ کو اندر رکھتا ہے۔“ ایک اتنے بڑے سائنسدان کی یہ چھوٹی سی بات [illegible] کے لیے اپنی مثال آپ کی حیثیت رکھتی ہے۔ دنیا میں جو کچھ ہے، ذہن ہے، سوچ ہے، خیال ہے اس ذہن کی اہمیت کو قدرت بھی تسلیم کرتی ہے جبھی شاید اسے سب سے اوپر، سب سے محفوظ جگہ پر کھوپڑی میں رکھا گیا ہے۔قدرت کی یہ کارفرمائی اس کی عظمت کا اعتراف ہے۔اس ساڑھے پانچ فٹ کی بلندی پر موجود اسی دماغ نے انسان کو ہزاروں میل دور خلا میں پہنچا دیا ہے اور سینکڑوں فٹ سمندر کے اندر زندہ رہنے کی آزادی دے دی ہے۔یہ خداوند تعالیٰ کا انسان پر وہ خاص کرم ہے، جس نے اسے تمام کائنات میں اشرف المخلوقات کا درجہ عطا کر دیا ہے لیکن ایڈیسن کی بات کا اگر منطقی اعتبار سے جائزہ لیا جائے تو یہ واضح طور پر ایک خاص سمت میں اشارہ کرتی نظر آتی ہے یعنی زمین پر ہمارا وجود، کامیابیاں، خوشیاں، جذبے، ناکامیاں حتیٰ کہ مستقبل بھی صرف دماغ کا محتاج ہے اور وہی اس کا فیصلہ کرتا ہے۔یہ سب فیصلے اس چھوٹی سی شے کے اندر کئے جاتے ہیں جن پر ہماری بقاء کا دارومدار ہے۔یہی ہمارے تمام افعال متعین کرتا ہے۔ہم سوچتے ہیں، یاد رکھتے ہیں، سمجھتے ہیں اور خواب بھی اسی کے ذریعے دیکھتے ہیں۔اب ماہرین طب محبت کو بھی دماغ کا ہی ایک فعل بتاتے ہیں اور ان کی نظر میں دل محض ایک پمپنگ مشین سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔تاہم شاعر

حضرات اب تک ان سب کا تعلق دل سے ہی جوڑتے ہیں۔درحقیقت دماغ کا وجود ہے تو انسان ہے۔تصور کیجئے آپ کے جسم میں سے دماغ نکال لیا جائے تو باقی کیا رہ جائے گا محض ایک گوشت کا بے ہنگم ڈھیر جو اپنی ایک انگلی بھی نہیں ہلا سکتا، چل پھر نہیں سکتا، رنگ جس کے لیے بے معنی ہیں اور موسیقی ایک انجانی شے۔غرض جو کچھ ہے دماغ ہے اور دماغ کی شخصیت آپ ہیں، یہی وہ جگہ ہے جہاں زندگی کی بنیاد قیام کرتی ہے، شاید یہیں آپ کی روح رہتی ہے۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جب لوگ پریشانی یا مشکلات کا شکار ہوتے ہیں تو ان پر گھبراہٹ طاری ہو جاتی ہے۔غالباً اس میں فطرت کا کسی حد تک دخل ہے جو انہیں سوچنے کی طرف سے ہٹا کر بدحواس ہونے پر مجبور کرتی ہے اور اس بدحواسی کی حالت میں معاملات بد سے بدتر ہوتے جاتے ہیں۔ایک ایسا دماغ جو نازک حالات میں پرسکون رہ کر اعصاب کو منطقی پیغامات ارسال نہیں کرتا ہر چیز تباہ کر کے رکھ دیتا ہے۔حتیٰ کہ پریشان حال شخص کا نظام ہضم یا معدہ تک بدحواسی کا شکار ہو جاتا ہے اور اس میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔خراب حالات کے آگے ہتھیار ڈال دینے والا دماغ خود اس شخص کا دشمن بن جاتا ہے اور اس کی بربادی میں نمایاں کردار ادا کرتا ہے وہ شخص راتوں کو جاگتا رہتا ہے آنکھیں پھاڑے چھت کو گھورتا ہے۔نیند میں بڑبڑا کر اٹھ بیٹھتا ہے۔وہ خدا سے فریاد کرتا ہے۔ ”یاالٰہی تو نے مجھے کس کرم کا پھل دیا ہے جو اس عذاب میں پھنسا دیا ہے میں نے کسی کا کیا بگاڑا تھا؟ یا خدا! میں کیا کروں؟

لازمی طور پر خدا کے پاس سے اس کے سوال کا جواب نہیں آتا کیونکہ خدا کا جواب تو پہلے ہی اس کے پاس موجود ہے یعنی خود اپنے آپ سے رجوع کرنا اور ہر مسئلے میں اپنی دماغی صلاحیتوں کو بروئے کار لانا۔یہ رویہ ہر مسئلہ حل کر دیتا ہے۔دنیا کی ہر پریشانی کے سدباب کے لیے آپ کے اپنے دماغ کے پاس ترکیبیں موجود ہیں یہ ہر وقت مصروف عمل رہتا ہے اور آپ کی مدد کے لیے معلومات لاشعور کے تہہ خانے میں جمع کرتا رہتا ہے جہاں آپ کو کسی نوعیت کی معلومات یا امداد کی ضرورت ہوتی ہے یہ

فوراً ہی مطلوبہ امداد آپ کو فراہم کرتا ہے اور دوبارہ اپنے کام میں جٹ جاتا ہے۔ یہ سادہ سا عمل ہر مشکل گھڑی میں انسان کے کام آتا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ یہ عمل صرف اسی وقت ظہور میں آتا ہے جب آپ اسے اس کی اجازت دیتے ہیں۔ افراتفری، بھاگ دوڑ اور ہیجان میں آپ کے دماغ کی اندرونی حالت انتشار کا شکار ہو جاتی ہے اور اس میں ہلچل پیدا ہو جاتی ہے۔ یوں لاشعور کے تہہ خانے میں موجود معمولی معمولی مگر اہم معلومات دماغ کی اوپری سطح پر نہیں پہنچ پاتیں اور نتیجتاً لوگ ہم اپنے دماغ سے کئی کار آمد باتات وصول کرنے کے قابل نہیں رہتے۔

لہٰذا کسی بھی مسئلے کو بآسانی اور تیز رفتاری سے حل کرنے کے لیے پہلا قدم یہ ہے کہ اپنے آپ کو پرسکون رکھا جائے۔ دماغ سے اسی وقت تعمیری مشورے حاصل کئے جا سکتے ہیں جب اس کی مجموعی حالت تسلی بخش ہو یا دیگر الفاظ میں کہا جائے تو دماغ صرف اسی وقت کار آمد ثابت ہو سکتا ہے جب وہ ٹھنڈا ہو۔ گرم دماغ سوائے خیالات کا راستہ روکنے کے کوئی کام نہیں کرتا۔ دماغ کو پرسکون رکھنا کوئی اتنا مشکل امر نہیں ہے۔ اس کے لیے محض چند دنوں کے ذاتی نظم وضبط کا پابند ہونا پڑتا ہے۔ آپ کو چاہیے جیسی بھی صورت حال پیش آئے، ہر موقع پر اپنے آپ کو پرسکون اور ہشاش بشاش رکھنے کی کوشش کریں۔ بھاگ دوڑ، بے جا تفکرات، چیخ و پکار سے پرہیز کریں۔ چند دنوں میں آپ خود محسوس کریں گے کہ آپ کے مزاج میں تحمل، بردباری، خوش اخلاقی نے اپنا گھر کر لیا ہے اور لوگ آپ کے مشورے کو بہت اہمیت دینے لگے ہیں۔

مشکل صورتحال میں پرسکون دماغ کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے جونہی آپ کسی مصیبت سے دوچار ہوتے ہیں آپ کا دماغ فوراً ہی چوکس اور مستعد ہو جاتا ہے۔ اس کے اندر کچھ کر گزرنے کی خواہش کروٹیں لینے لگتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ آپ کے جسم اور روح کو بدتر حالات کا سامنا کرنے کے لیے توانائی اور قوت بھی فراہم کرنے لگتا ہے۔ جب آپ پوری طرح تیار ہو جاتے ہیں تو پھر دماغ مصیبت پر

حملہ آور ہوتا ہے اور نت نئی ترکیبیں اور حل تلاش کر کے اس کا خاتمہ کر دیتا ہے لیکن تمام کاروائی کے پیچھے بنیادی چیز غور وفکر اور ٹھنڈا دماغ ہے۔ یہ دونوں چیزیں اگر آپ کے ساتھ ہیں تو پھر کوئی مشکل، مشکل نہیں رہے گی۔ جونہی آپ نے ان میں سے کسی ایک کا بھی ساتھ چھوڑا۔ ایک مصیبت اپنی دوسری ساتھیوں کو بھی بلا لے گی اور وہ سب مل کر آپ پر خون آشام چمگادڑوں کی مانند حملہ کر دیں گی۔ پھر آپ کے پاس کچھ بھی نہ بچے گا۔ لہٰذا اپنے آپ پر بھروسہ رکھتے ہوئے ہر پریشانی کا مقابلہ ہمت، تدبر اور تفکر سے کیجئے۔ اس سلسلے میں ہم ایک اور مثال پیش کرتے ہیں۔

فورڈ موٹر کمپنی کا نام یقیناً آپ نے سنا ہوگا۔ گزشتہ تقریباً نصف صدی سے اس ادارے نے کاروں، ٹرکوں، بسوں اور بے شمار اقسام کی جدید ترین مشینوں کو پیش [illegible] میں اپنی برتری قائم کی ہوئی ہے اور اس وقت بھی دنیا کے بڑے [illegible] فورڈ کا نام سب سے معتبر ہے۔ فورڈ کمپنی کے بانی مسٹر [illegible] فورڈ سے ایک مرتبہ کسی نے پوچھا ''مسٹر فورڈ آپ کے ذہن میں یہ تمام خیالات کہاں سے آتے ہیں! کیا آپ نے کچھ لوگوں کو نئے خیالات پیش کرنے کے لیے ملازم رکھا ہوا ہے یا محض قسمت کی بنا پر ذہن میں لگائے اندازے کامیاب ہو جاتے ہیں؟''

مسٹر فورڈ سوال سن کر مسکرائے اور پائپ کا دھواں منہ سے خارج کرتے ہوئے بولے۔ ''تمہیں معلوم ہے اس وقت تمہارے بدن پر فضا کا دباؤ کتنا ہے؟ نہیں معلوم۔ خیر، میں بتاتا ہوں۔ اس وقت جسم کے ہر مکعب انچ پر چودہ پاؤنڈ کا دباؤ موجود ہے لیکن تمہیں بالکل محسوس نہیں ہو رہا۔ سائنسی طور پر تم جانتے ہو کہ یہ دباؤ موجود ہے لیکن ذاتی طور پر تمہیں اس بات کا قطعی کوئی احساس نہیں ہے کہ تمہارا جسم کس قدر زبردست دباؤ کے تحت ہے کچھ ایسی ہی بات نئے خیالات اور سوچوں سے متعلق ہے ہمارا دماغ ان سے بھرا ہوا ہے۔ خیالات اس میں حقیقتاً ٹھنسے ہوئے ہیں جنہیں ذرا سا بھی موقع ملتا ہے تو وہ ابل کر باہر آ گرتے ہیں۔ ان خیالات کا ہمارے دماغ پر ز[illegible] [illegible]ؤ ہوتا ہے لیکن ہم اسے بھی محسوس نہیں کرتے۔ کسی بھی معاملے میں

،میں سب سے پہلے یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ میرا حقیقی مسئلہ کیا ہے؟ حقیقی مسئلے کے تعین کے بعد میں اسے دماغ میں ڈال کر بھول جاتا ہوں اور اپنے دوسرے کام کرنے لگتا ہوں، پھر یونہی اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے مسئلہ کا حقیقی اور آسان حل کسی روشنی کے جھماکے کی طرح میرے ذہن میں واضح ہو جاتا ہے اور میں اس پر مزید غور کر کے اسے خرابی سے مکمل طور پر پاک کر دیتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہر مسئلے کا حل میرے ذہن میں موجود ہے اور میں اسے تلاش کر سکتا ہوں۔"

مسٹر ہنری فورڈ کا یہ ذاتی تجربہ کوئی مذاق میں کہی گئی بات نہ تھی۔ بلکہ کئی مرتبہ ایسا ہوا جب وہ اپنے دوستوں کی محفل میں بیٹھے لطف اندوز ہو رہے تھے کہ اچانک ان پر کسی سحر زدہ شخص جیسی کیفیت طاری ہو جاتی وہ بولتے بولتے یکدم خاموش ہو جاتے اور خلا میں گھورنے لگتے۔ دیکھنے والے کے لیے ان کی یہ کیفیت کسی ذہنی یا اعصابی بیماری سے کم نہ تھی۔ لیکن ان کے پرانے شناسا جانتے تھے کہ جس وقت بھی فورڈ پر یہ کیفیت طاری ہو، اس وقت یقیناً ان کے ذہن میں کوئی معرکتہ الآرا قسم کا خیال آیا ہو گا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کیفیت کے دوران مسٹر فورڈ خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے جاتے تھے اور کچھ عرصہ پوری تندہی سے سوچ بچار کرنے کے بعد جو نیا منصوبہ سامنے لاتے تھے وہ ساری دنیا کو دانتوں تلے انگلیوں کو دبانے پر مجبور کر دیتے تھے۔

ہنری فورڈ کی کامیابی میں ان کی ازدواجی زندگی کا بھی اہم کردار تھا ان کی شادی ایک کٹر قسم کی مذہبی خاتون سے ہوئی تھی جو معجزوں، دعاؤں اور شگون وغیرہ پر بھرپور اعتقاد رکھتی تھی۔ جبکہ مسٹر ہنری فورڈ کاروباری دنیا میں سوچ بچار کی مشین کے نام سے مشہور تھے اور تدبیر کو تقدیر پر ہر حالت میں ترجیح دیتے تھے تاہم متضاد خیالات و اعتقادات رکھنے کے باوجود ان کی زندگی کو مثالی قرار دیا جاتا تھا اور لوگ ان جیسا بننے کی آرزو کیا کرتے تھے ان میں سے ایک سوچ کا نمائندہ تھا تو دوسرا یقین کا۔ اور سوچ و یقین جہاں اکٹھے ہو جائیں وہاں لازماً معجزے رونما ہوتے ہیں۔

کسی بھی مشکل گھڑی میں جہاں دماغ آپ کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ وہیں

خدا کی ذات پر کامل اعتقاد آپ کی روح کے لیے سب سے بڑا سہارا ہے۔ اپنی روح کے لیے اس سہارے کو قائم رکھئے اور خدا کی ذات سے مایوس نہ ہوں، خدا کو آپ سے سب سے زیادہ محبت ہے، اس نے آپ کو تخلیق کیا ہے تو ہر حال میں آپ کا بھلا چاہے گا، وہ کبھی بھی پسند نہ کرے گا کہ اس کی مخلوق کسی مشکل میں گھری ہو اور خدا اپنی مخلوق سے نالاں و گریزاں رہے بلکہ خدا ہمیشہ آپ کی مدد کرنا چاہے گا لہٰذا آپ بھی اس کی مدد طلب کیجئے اور دعا کیجئے۔ اس کے آگے دامن پھیلایئے اور سر خم رکھئے پھر دیکھئے راستے کی رکاوٹیں کس طرح خود بخود دور ہو جاتی ہیں۔ دوسری طرف ماہرین نفسیات کے مطابق دعا کا اثر حیرت انگیز ہوتا ہے۔ اس سے انسان کو اپنے آپ پر قابو پانے میں مدد ملتی ہے اور ذہن ٹھنڈا ہوتا ہے۔ عام طور پر جب لوگ خدا سے دعا کرتے ہیں تو اپنے آپ کو بے بس اور لاچار تصور کرتے ہیں۔ اور ان میں عاجزی کا جذبہ بیدار ہو جاتا ہے۔ ایسے موقع پر ان کی جسمانی و ذہنی کیفیت میں شدت نہیں رہتی بلکہ وہ پرسکون ذہن اور پوری توجہ کے ساتھ خدا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جیسا کہ ہم نے پہلے تذکرہ کیا، ہر پریشانی دور کرنے کے لیے بنیادی ضرورت پرسکون دماغ ہے لہٰذا ان کا یہ ارتکاز خود بخود ذہن میں مشکل سے متعلق نئے نئے حل بیدار کر دیتا ہے اور وہ صورتحال کو نئے انداز سے سمجھنے کے قابل ہو جاتے ہیں لہٰذا دعا کیجئے۔

گزشتہ صفحات میں ہم نے مسٹر ہنری فورڈ کا طریقۂ فکر اور انداز عمل بیان کیا تھا لیکن یہ ایک بہت بڑے شخص کا طریقہ تھا جو اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کی بدولت بے مثل کامیابی سے ہمکنار ہوا۔ ایک عام ذہنی سطح رکھنے والا فرد اس مثال پر غور کرتے ہوئے یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ ہنری فورڈ کو خدا نے جن صلاحیتوں سے نوازا تھا وہ اس کے پاس نہیں ہیں لہٰذا وہ اس مثال سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ ہنری فورڈ ایک غیر معمولی آدمی تھا اور میں ایک معمولی آدمی ہوں۔ درحقیقت یہ ایک غلط رویہ ہے عام آدمی بھی اتنا ہی نہیں بلکہ کئی گنا زیادہ ذہین ہو سکتا ہے جتنا کہ ہنری فورڈ تھا۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ اپنی اس ذہانت کو پہچاننے اور مناسب موقع پر استعمال

کرے۔ ہنری فورڈ نے ہر موقع پر عقلی دلائل سے کام لیا اور کامیابی حاصل کی اگر ایک عام آدمی بھی چاہے تو عقلی دلائل اور قوت عمل سے اتنی ہی کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ آیئے ہم اس سلسلے میں ایک عام آدمی کی مثال کو سامنے رکھتے ہیں جس کے لیے ہر موقع پر تدبیر ایجاد کرنا بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ یہ آدمی میرا دوست تھا۔ ہم دونوں نے اسکول کا زمانہ ایک ساتھ ہنستے کھیلتے گزارا اور پھر کالج یونیورسٹی سے ہوتے ہوتے تقریباً ایک ساتھ ہی عملی زندگی میں داخل ہوئے تعلیم سے فراغت کے بعد مجھے تو ایک مناسب جگہ نوکری مل گئی مگر میرا دوست بے روزگار رہا کچھ عرصے بعد اخبار میں چند اسامیوں کے لیے اشتہار جاری ہوا تو اس نے وہاں درخواست روانہ کر دی اور پھر انٹرویو کے لیے طلب کیے جانے پر مقررہ دن دفتر پہنچ گیا اس نے دیکھا وہاں امیدواروں کا ہجوم لگا ہوا تھا۔ ان میں نوجوان بھی تھے اور ادھیڑ عمر، سوٹ بوٹ میں ملبوس چمکتے چہرے اور غیر ملکی پرفیوم والے اور شکنوں بھرے لباس والے اور پریشان حال بھی۔ دوست نے ان لوگوں پر غور کیا تو محسوس کیا کہ وہاں چند لوگ اس سے بہتر بھی موجود تھے۔ اگر [illegible] باس کی سیٹ پر [illegible] وہ یقیناً ان میں سے کسی ایک کو چن لیتا۔ اس نے سوچا چونکہ معاملہ مسابقت کا تھا اور وہ یہ نوکری اپنے لئے حاصل کرنا چاہتا تھا اس لئے اس نے ان باصلاحیت نوجوانوں کو اپنا حریف تصور کیا اور کسی ایسے طریقے کے لئے سوچ بچار شروع کر دی جس کے ذریعے وہ باس کی توجہ حاصل کر سکے اور ان باصلاحیت نوجوانوں سے اپنے آپ کو بہتر ثابت کر سکے۔

وہ قطار میں بیٹھے بیٹھے سوچتا رہا، سوچتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک نہایت سادہ مگر زود اثر خیال اس کے ذہن میں در آیا۔ وہ خاموشی سے قطار سے اٹھا اور کاغذ کی ایک پرچی پر صفائی سے کچھ لکھا اسے نفاست سے تہہ کیا اور سامنے بیٹھی خاتون سکریٹری کو پکڑاتے ہوئے بولا۔

"ایکسکیوزمی مس...... یہ کاغذ بہت اہم ہے اسے جلد از جلد اپنے باس تک پہنچا دیں۔"

سکریٹری نے سپاٹ چہرے سے اس کی طرف دیکھا اور کہا "آپ اپنی باری

پر ہی اندر تشریف لے جا سکیں گے۔ وہاں قطار میں تشریف رکھئے۔ آپ کا نمبر چوالیس ہے۔" غالباً سکریٹری نے اس پرچے کو کسی وزیر یا اہم شخصیت کا سفارشی نوٹ تصور کیا تھا۔ اس لیے اس کی طرف سے بے توجہی برتی تھی لیکن اس کے مسلسل اصرار اور پر اعتماد شخصیت نے اسے مجبور کر دیا کہ وہ پرچی اپنے باس تک پہنچا دے اس نے پرچی لے کر اسے کھولا اور پڑھا۔ پڑھتے ہی اس کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اس نے دھیرے سے ہنس کر کہا۔ "اچھا" وہ پرچی لے کر باس کے کمرے میں داخل ہو گئی۔ اور وہ اطمینان سے اپنی جگہ آ کر بیٹھ گیا۔ چند ہی لمحوں بعد اندر کمرے سے ایک [illegible] قہقہے کی آواز سنائی دی۔ [illegible] پرچی پر لکھا تھا۔ "محترم جناب میں باہر چوالیس نمبر پر بیٹھا ہوں۔ برائے مہربانی فیصلہ کرنے میں جلد بازی مت کیجئے گا۔" دوست کو نوکری مل گئی۔ [illegible] اس کی ملازمت کا ابتدائی زمانہ تھا۔ آج وہ ایک مشہور کمپنی میں ڈائریکٹر کی سیٹ پر بیٹھا ہوا ہے اور سب روز ایسی مشکلوں سے بخوبی نمٹ [illegible] میری نظر میں [illegible] جو کئی افراد تمام زندگی ہزار [illegible] نہیں پاتے [illegible] سوچ اور یقین تمام مسائل کو ختم کر سکتے ہیں۔ اس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ معقول اور مثبت سوچ رکھنے والا فرد کبھی ناکام نہیں ہوتا، وہ یا تو مشکل حل کر لیتا ہے یا اسے جڑ سے ختم کر دیتا ہے یا کوئی ایسا راستہ تلاش کر لیتا ہے جس کے ذریعے اس مشکل کو بآسانی برداشت کر سکے۔

مشکلات سے نمٹنے کے اس طریقۂ کار کی مکمل وضاحت کے بعد آپ کے ذہن میں کوئی گرہ باقی نہیں رہنی چاہیے تاہم ایک معمول کے رویے کے مطابق ہمارے بہت سے قارئین اب بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ "ٹھیک ہے۔ جو کچھ آپ نے فرمایا، بالکل درست ہے لیکن آپ میرے بارے میں نہیں جانتے۔ میری مشکل واقعی ایسی ہے جس کا کوئی حل نہیں۔ میں آپ کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کر کے اس معاملے کے ہر پہلو پر غور کر چکا ہوں لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ میں نے بہت سوچا ہے اور صدق دل سے خدا کے حضور فریاد بھی کی ہے۔ لیکن سب بے نتیجہ رہا۔ شاید میری جیسی مشکلیں سے

آپ کو واسطہ نہیں پڑا جب ہی بتائے گئے سارے فارمولے فیل ہو گئے۔"

ہو سکتا ہے اس قسم کی شدید مشکل صورت حال بھی قارئین میں سے کسی کو درپیش ہو جہاں واقعی ہمارے لگائے ہوئے سارے اصول اور اندازے غلط ہو جاتے ہیں اور سب کتابی باتیں دھری رہ جاتی ہیں جب مشکلات سے نجات کا راستہ کسی لمبی اندھیری سرنگ کی طرح یک دم آگے سے بند ہو جاتا ہے اور انسان بے بسی سے اندھیرے میں کھڑے رہنے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتا۔ اس موقع پر زندہ رہنے کا صرف ایک ہی طریقہ رہ جاتا ہے "امید" جس کے متعلق ہم آئندہ سطروں میں گفتگو کریں گے۔ تاہم عام رجحان کے مطابق مشکلات حل کرنے میں ناکامی لوگوں کی اپنی غلطیوں کی وجہ سے ہی ہوتی ہے۔ وہ صحیح سوچ کے ساتھ صحیح اندازے نہیں لگا پاتے اس لئے نامراد رہتے ہیں۔ وہ اپنی مشکل کا تعین نہیں کر پاتے یا انہیں حقیقی مسئلے کا احساس نہیں ہوتا یا وہ اپنے اندر اس سوچ کو ابھارنے میں ناکام رہتے ہیں جو مشکلات حل کرنے کے لیے ضروری ہے اطمینان اور سکون سے سوچنے۔ کسی بھی معاملے میں جذباتی رویہ اختیار مت کیجئے بلکہ ٹھنڈے دماغ کے ذریعے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیے۔ ساتھ ہی ساتھ دعا بھی کرتے جائیے۔ خدا کی رضا حاصل کیجئے جب آپ دعا کرتے ہیں اس وقت خدا بھی آپ کے ساتھ سوچ رہا ہوتا ہے اور یہ بات سب جانتے ہیں کہ خدا سے بڑا سوچنے والا کوئی نہیں ہے۔

دنیا کے عظیم ترین ماہر نفسیات سگمنڈ فرائیڈ نے ایک جگہ لکھا ہے۔ "انسان کی سب سے بڑی ذمہ داری زندگی گزارنا ہے۔" یقیناً یہ چھوٹا سا جملہ ایک بڑے مفکر کی جانب سے بڑی حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے لیکن ہر شخص اس جملے کو اپنا رہنمائے زندگی بنا لے تو پھر دنیا میں کامیاب اور باصلاحیت افرادی کی شدید کمی ہو جائے گی۔ اگر زندگی گزارنا ہی سب سے بڑی ذمہ داری ٹھہری تو پھر اس ساری جدوجہد، پریشانی، تکالیف کا کیا فائدہ، آرام سے ایک جگہ بیٹھ کر، صبر و قناعت کے ساتھ دو روٹی کھائیے۔ ایک جوڑے میں زندگی گزاریئے اور پھر سکون سے کسی درخت کی چھاؤں تلے مر

جائیے! لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ ہر شخص ترقی کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے انسانی فطرت کو مدنظر رکھتے ہوئے فرائیڈ کے جملے میں یوں ترمیم کی جاسکتی ہے کہ "انسان کی سب سے بڑی ذمہ داری زندگی پر عبور حاصل کرنا ہے۔" لہٰذا زندگی پر عبور حاصل کیجئے اس کے ہر شعبے میں کمال حاصل کیجئے۔ اس کو تمام خامیوں، خرابیوں، رکاوٹوں سمیت قبول کیجئے اور اپنا کام جاری رکھئے یعنی سوچتے رہئے، دعا کرتے رہئے اور یقین رکھئے۔

آپ کے یقین میں ہی یقینی کامیابی ہے

دنیا کا ہر مثبت سوچ اور پراعتماد شخصیت رکھنے والا فرد جانتا ہے کہ جس طرح خدا نے ہر مرض کی دوا تخلیق کی ہے اسی طرح اسے دی جانے والی مشکل کا حل بھی اس کی اپنی ذات کے اندر مخفی کر دیا ہے۔ اب یہ اس کا کام ہے کہ وہ ہر مشکل کا حل تلاش کرے اور اپنے آپ پر ہی مشکل کشا ہونے کا یقین رکھے۔ مشکلات حل کرنے کے باب میں ہمارا تیسرا عنوان "یقین" ہے۔

مصائب سے جنگ میں یہ آپ کا تیسرا ہتھیار ہے۔ یہ وہ آخری طریقہ ہے جو اندھیری بھول بھلیوں میں خوفناک درندوں کے درمیان بھی کسی شخص کو جدوجہد جاری رکھنے پر مجبور رکھتا ہے۔ یقین ہی وہ چراغ ہے جو زندگی کے اندھیروں میں آپ کی رہنمائی کرتا ہے، وہ مقام جہاں ہر تدبیر ناکام ہو جاتی ہے۔ کوئی دعا اثر کرتی دکھائی نہیں دیتی وہاں ایک شخص کا یقین ہی سانس کی آمد و رفت کا وسیلہ بنتا ہے۔ اگر غور کریں تو خدا کی ذات کے اقرار سے لے کر کسی ایک شخص سے روپیہ ادھار لینے تک یقین ہی ہمارا سہارا رہتا ہے۔ ہمارے ہر عمل کا جواز پیدا کرتا ہے۔ غرض جو کچھ ہے یقین ہے، بھروسا ہے، اعتماد ہے۔ چاہے یہ خدا کی ذات پر ہو، چاہے بندے کا اپنے اوپر، لیکن مسلمہ امر ہے کہ اس کے بغیر زندگی کچھ نہیں ہے۔

مشکلات حل کرنے کے ضمن میں "یقین" ایک نہایت طاقتور عنصر کی حیثیت سے سامنے آتا ہے اور زمانہ ابتلا میں وہی کردار ادا کرتا ہے جو گاڑی میں پیٹرول [illegible]

دیتا ہے۔ یعنی یہ کسی بھی فرد کی گرتی ہوئی شخصیت کو نہ صرف سہارا دیتا ہے بلکہ اس میں ردعمل کر کے اسے نئے سرے سے تازہ دم کر دیتا ہے انسان کا اپنے اوپر یقین حقیقتاً جادو اثر چیز ہے یہی معجزوں کی بنیاد ہے۔ ناقابل یقین، دم بخود کر دینے والے کمالات کی اساس ہے اگر آپ اپنے اوپر یہ یقین رکھتے ہیں کہ مجھ میں بڑی صلاحیتیں ہیں اور میں ہر مشکل سے بآسانی باہر نکل سکتا ہوں تو سمجھئے کہ آپ میں زندگی سے لڑنے کا جذبہ موجود ہے اور آپ ہر معاملہ میں جدوجہد کے ذریعے اپنا راستہ بنا سکتے ہیں۔

ایسے ہی جیسے 1931ء میں ٹیڈ اور ڈورتھی ہسٹیڈ نے ہر قسم کی رکاوٹوں کو عبور کرتے ہوئے بنایا تھا اور جنوبی ڈکوٹا، امریکہ کے ایک چھوٹے سے قصبے وال کو بہت [illegible] صنعتی وتجارتی شہر میں تبدیل کر دیا۔ ٹیڈ اور ڈورتھی ہسٹیڈ میاں بیوی تھے۔ دونوں [illegible] مطابقت کو مثالی قرار دیا جاتا تھا۔ ٹیڈ ایک دوا ساز (فارماسسٹ) تھا جبکہ [illegible] پڑھاتی تھی۔ 1931ء میں جبکہ مغربی ممالک میں کساد بازاری [illegible] انہوں نے امریکی ریاست ڈکوٹا کے چھوٹے سے قصبے وال میں [illegible] آبادی صرف تین سو نفوس پر مشتمل تھی اس میں دوا کی دکان کھولی۔ مگر ابتدا [illegible] زبردست ناکامی اور [illegible] سے دوچار ہوئے۔ قصبہ وال ایک ایسی [illegible] ہے جس کے دونوں اطراف میں مشہور تفریحی مقامات اور گرم پانی کے چشمے موجود تھے۔ ہر سال کے بیشتر حصے میں شدید قسم کی گرمی پڑتی تھی۔ دونوں طرف جانے کے لیے شوقین افراد وال ہی سے ہو کر گزرتے تھے مگر چونکہ یہاں کوئی ہوٹل یا سرائے نما جگہ نہیں تھی اس لئے قیام کرنے کے بجائے سیدھے نکلتے چلے جاتے تھے اور جب اپنی منزل تک پہنچتے تھے تو شدید گرمی، دھوپ اور دھول مٹی سے ان کی حالت بگڑ چکی ہوتی تھی۔ ٹیڈ اور ڈورتھی کے لیے بنیادی مسئلہ کا یہ سوال تھا کہ آخر مسافروں کو کس طرح مین ہائی وے سے ہٹا کر قصبہ وال میں داخل ہونے پر مجبور کیا جائے اور "ہسٹیڈ ڈرگ اسٹور" سے خریداری کی طرف راغب کیا جائے۔ انہوں نے اس مسئلے کے حل کے لیے بہت سوچا۔ دعائیں مانگیں اور نت نئے طریقوں کے بارے میں غور

کیا۔ یہاں تک کہ ان کے مسئلے کا حل سوال کی صورت میں سامنے آیا۔ انہوں نے سوچا کہ گرمی کے شدید موسم میں دھول سے اٹے ہوئے، تھکے ماندے افراد کو دوران سفر سب سے زیادہ کس چیز کی طلب ہوتی ہے؟ جواب آیا ایک عدد ٹھنڈے یخ برف سے بھرے ہوئے پانی کے گلاس کی انہیں سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔

چنانچہ انہوں نے اس جواب کو استعمال کیا اور قصبہ کے باہر مرکزی شاہراہ پر چند سائن بورڈ نصب کرا دیئے۔ "ٹھنڈا پانی مفت...... ہسٹیڈ ڈرگ اسٹور پر تشریف لائیے۔"

"برف سے بھرے ہوئے گلاس...... بالکل مفت...... ہسٹیڈ ڈرگ اسٹور۔"

"قطب شمالی کا ٹھنڈا، تسکین بخش پانی، ہسٹیڈ ڈرگ اسٹور پر بالکل مفت۔"

تشہیر کے اس نئے انداز نے آہستہ آہستہ اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا۔ ابتدائی چند ہفتوں میں مرکزی شاہراہ پر سفر کرنے والے بہت کم افراد ان سائن بورڈ کی طرف متوجہ ہوئے پھر بھی ٹیڈ اور ڈورتھی کی آمدنی میں اضافہ ہوا تھا۔ تھوڑی بہت کامیابی پا کر انہوں نے اشتہاری بورڈز کا دائرہ اثر مزید پھیلایا اور انہیں قصبہ وال کی چاروں اطراف کی آبادیوں میں نصب کرا دیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان کی دکان کی آمدنی بڑھتی گئی اور وہ اشتہاری بورڈز کو پھیلاتے گئے۔ ہسٹیڈ ڈرگ اسٹور میں گاہکوں اور سیاحوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا جب ہسٹیڈ ڈرگ اسٹور کے مفت پانی والے سائن بورڈز پورے امریکا میں پھیل گئے اور آج صورت حال یہ ہے کہ ہسٹیڈ ڈرگ اسٹور میں روزانہ چھ ہزار افراد خریداری کے لیے آتے ہیں۔ اپنی حیرت انگیز فروخت کی بناء پر یہ دنیا کے بڑے میڈیکل اسٹورز میں شمار ہوتا ہے۔ فی الوقت اس میڈیکل اسٹور کے اشتہاری بورڈز دنیا کے ہر خطے میں موجود ہیں۔ اہرام مصر کے سامنے، قطب شمالی میں، کوریا میں 10,728 حتیٰ کہ تاج محل کے سامنے بھی ایک بورڈ نصب ہے جس پر سمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تیر کے ساتھ لکھا ہے۔

"ٹیڈ ہسٹیڈ وال ڈرگ اسٹور۔ 10,728 میل۔"

ٹیڈ اور ڈورتھی کی یہ بے مثال کامیابی صرف ایک خصوصیت کی مرہون منت

تھی۔ انہوں نے ناکامی کے آگے شکست تسلیم نہیں کی۔ انہیں یقین تھا کہ وہ قصبہ وال جیسے ویرانے کو بھی گل وگلزار کر سکتے ہیں اور آگ اگلتے سورج میں سے اپنی روزی باہر کھینچ سکتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے کوشش جاری رکھی اور بالآخر اپنی منزل پا گئے۔ خدا نے ان کی فکر، دعاؤں اور یقین کو رائیگاں نہیں جانے دیا۔ بلکہ انہیں ان کی توقعات سے کہیں زیادہ انعام سے نوازا۔

اگر غور کیجئے تو قابل رشک کامیابی کی اس کہانی میں بنیادی کردار ''یقین، اعتماد، بھروسا'' دکھائی دیتا ہے۔ ٹیڈ اور ڈورتھی نے ابتداء میں بہت سوچا تھا بہت ترکیبیں لڑائی تھیں، جتنی دعائیں یاد تھیں سب مانگ لی تھیں۔ مگر پھر بھی ناکام رہے تھے۔ ان کا اسٹور خاطر خواہ مقبولیت حاصل نہیں کر سکا تھا پھر بھی انہوں نے آس کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ انہیں خدا اور اپنی ذات پر بھروسہ تھا۔ وہ یقین رکھتے تھے کہ ہم ہر مشکل حل کر سکتے ہیں، چاہے راہ میں کیسی ہی رکاوٹیں کیوں نہ حائل ہوں۔ لہٰذا یہ یقین انہیں کامیاب کر گیا لہٰذا آپ بھی ہر مشکل گھڑی میں اپنے آپ پر یقین رکھئے۔ آپ ہر مشکل پر قابو پا سکتے ہیں کیونکہ آپ کے پاس ہر مشکل کا حل موجود ہے۔ یہ احساس کہ آپ یقیناً یہ کام کر سکتے ہیں، آپ کے اندر سوئی ہوئی قوتوں کو جگاتا ہے اور آپ خود محسوس کرنے لگیں گے کہ آپ کی دنیا میں حقیقی تبدیلی رونما ہو چکی ہے۔

پس ثابت ہوا کہ مشکلات سے نمٹنے اور انہیں خوش اسلوبی سے حل کرنے کے لیے تین چیزیں یعنی معلومات، تفکر اور یقین بہت ضروری ہیں۔ اگر آپ اپنے ہر مسئلے سے متعلق ان تینوں باتوں سے اچھی طرح آگاہ ہیں تو سمجھئے کہ پھر آپ کا کوئی مزید مسئلہ نہیں رہا ہے۔ آپ ان تین ہتھیاروں کی مدد سے اپنے دشمن کو چٹکی بجاتے ہی ختم کر سکتے ہیں۔ کیونکہ آپ وہ سب کچھ کر سکتے ہیں جو آپ چاہتے ہیں۔

اچھے مواقع اور ان کا استعمال

ایک مشہور بین الاقوامی ادارے کے سابق چیئرمین ٹامس جان والٹن کا یہ مقولہ

ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ۔ ''اچھے مواقع کبھی آپ کے دروازے پر دستک نہیں دیتے بلکہ آپ کو خود اچھے مواقع کے دروازوں پر جا کر دستک دینی ہوتی ہے اور اگر آپ بغور دیکھیں تو اچھے مواقع آپ کے چاروں طرف موجود ہیں۔''

اچھے مواقع، مختلف نوعیتوں اور شکلوں میں آپ کے سامنے سے آ کر گزر جاتے ہیں۔ لیکن وہ کبھی آ کر آپ کے سر پر سایہ فگن نہیں ہوتے۔ اگر آپ کا مشاہدہ اچھا ہے تو آپ اس طرح کے ہر موقع کو بخوبی تاڑ سکتے ہیں۔ اس کا اپنے طور پر جائزہ لے سکتے ہیں اور پھر اس کو حاصل بھی کر سکتے ہیں۔ اچھے مواقع ہمیشہ ان لوگوں کی جانب کھنچتے ہیں جو محنت اور جانفشانی سے اپنے کام کرتے ہیں۔

عربی کی ایک مثال ہے کہ چار چیزیں کبھی جا کر واپس نہیں آ سکتیں۔ ایک تو آپ کے منہ سے نکلا ہوا لفظ، دوسرا کمان سے نکلا ہوا تیر، تیسری گزری ہوئی زندگی اور چوتھا ایک موقع جو ہاتھ سے نکل گیا ہو۔

جس طرح فٹ بال کا ایک اچھا کھلاڑی گیند پا کر فوراً نہایت تیزی کے ساتھ گول کی جانب لپکتا ہے۔ اسی طرح جب آپ کو کوئی اچھا سا موقع ملے اسے فوراً اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیجئے اور پھر اسے لے کر نہایت تیزی کے ساتھ اپنے ''گول'' کی مقررہ لائن کی طرف بڑھئے۔ ایک مرتبہ مجھے سیلز مینوں کے ایک کنونشن میں ایک مقرر کی تقریر سننے کا موقع ملا جو یہ کہہ رہا تھا! ''یہ بات ہمیشہ یاد رکھئے کہ ایک ایسا سیلز مین جو کسی جگہ بیٹھا اپنے گاہکوں کا انتظار کرتا رہتا ہے کہ جب کوئی اچھا گاہک آئے گا اسی قوت وہ اس سے کوئی سودا کرے گا تو پھر اسے اپنا یہ کاروبار چھوڑ دینا چاہیے اور اس کی جگہ اسے لوح مزار بنا بنا کر فروخت کرنا چاہیے۔''

یہی صورت حال اچھے مواقع کے لیے بھی ہے۔ جو شخص اچھے مواقع کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہتا ہے، اس کے پاس تو وہ ہرگز اچھے مواقع نہیں آتے۔ البتہ سڑک پر جو شخص اپنے قدم تیز تیز رکھتا ہوا آگے بڑھا چلا جا رہا ہے اسے مواقع ضرور مل جاتے ہیں۔

ہماری اس دنیا میں طرح طرح کے مواقع موجود ہیں۔ لیکن وہ ہماری نظروں سے پوشیدہ ہیں۔ سب سے اچھے مواقع کو حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا بس ایک ہی طریقہ ہے، جو ہمیشہ کارگر ثابت ہوا ہے۔

وہ طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنی دونوں آستینیں چڑھا لیں اور پوری تندہی سے اپنے موجودہ کام میں لگ جائیں اس طرح اپنے کام سے لطف اندوز ہونے کے علاوہ آپ اچھے مواقع کے بھی منتظر رہیں اور ان سے پوری طرح استفادہ کریں۔

ایک مرتبہ دوپہر کے کھانے پر ایک ریستوران میں شہر کے مشہور کاروباری ادارہ ایسٹرن کارپوریشن کے صدر سے میری ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے فرمایا! ''پہلے کے مقابلے میں آج کل جلد ترقی کرنے کے لیے اچھے مواقع بہت زیادہ تعداد میں موجود ہیں، لیکن یہ مواقع ان لوگوں کو حاصل ہوتے ہیں جو اپنی آنکھیں کھلی رکھتے ہیں۔'' پھر وہ چند لمحات کے توقف کے بعد بولے۔ ''افسوس اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو، ان اچھے مواقع سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے اور اپنا بہت سا قیمتی وقت یونہی بے مقصد گنوا دیتے ہیں۔''

یہ کامیاب ترین شخص جس نے نہایت معمولی حیثیت سے ترقی کی تھی، دوسرے لفظوں میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہر شخص کو اپنے اندر معمول سے کچھ زیادہ کام کرنے کی صلاحیت پیدا کرنی چاہیے، کیونکہ اسی صورت میں وہ اپنے لیے کوئی راستہ بنا سکتا ہے۔

ماہرین نے اچھے مواقع حاصل کرنے کے کچھ اصول وضع کیے ہیں۔ ذیل میں ہم تفصیل سے وہ اصول بیان کر رہے ہیں جن پر عمل کر کے آپ بھی زندگی میں بہتر مواقع حاصل کر سکتے ہیں۔

میں نے بہت سے ایسے لوگوں کا گہرا مطالعہ کیا ہے جنہوں نے اپنے لیے اچھے مواقع پیدا کر کے دوسروں کے ذریعہ فائدہ اٹھایا ہے۔ مثال کے طور پر ایک بڑے کاروباری ادارے کے نائب صدر کو لے لیں جسے اپنے کاموں پر پورا عبور حاصل ہوتا ہے۔ اسے روزانہ درجنوں نہایت اہم کاموں سے نمٹنا پڑتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ بہت کم کام بذات خود انجام دیتا ہے۔ اس کے باوجود شام تک اس کی میز بالکل صاف

ہوجاتی ہے اور شاذ و نادر ہی کوئی کام ادھورا پڑا رہ جاتا ہے۔ آخر ایسا کیونکر ہوتا ہے؟

وہ اپنے ماتحت اسٹاف سے کام لینے اور ان کے تعاون سے وہ اپنی مختلف ذمہ داریوں سے گلوخاصی حاصل کرنے کا طریقہ جانتا ہے۔ میں جس شخص کا ذکر کر رہا ہوں اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ مختلف نوعیت کے کاموں کے کاغذات پر ایک ایک سلپ چسپاں کر دیتا ہے اور پھر اس طرح کے مختصر نوٹ لکھ لکھ کر اپنے اردلی کے حوالے کر دیتا ہے جو انہیں ان پر لکھے ہوئے ناموں کے مطابق تقسیم کر دیتا ہے۔

سرور صاحب، ان کاغذات پر ایک سرسری نظر ڈال لیجیے اور شام تک مجھے مطلع کیجیے کہ ان کاموں میں سے کتنے باقی رہ گئے ہیں؟

مسٹر مجیب، اگر آپ ان کاموں سے سہ پہر تک فارغ ہو جائیں تو میں آپ کو ایک مصری سگار پیش کروں گا۔

''ان کاغذات کے متعلق آپ جیسا مناسب سمجھیں کریں، میں نے آپ کو پورا اختیار دے دیا ہے۔ لیکن ہاں رشید صاحب یہ تو میں بھول ہی گیا۔ آج شام آپ کیفے ٹیریا میں مجھ سے مل لیں۔''

''مسٹر جیک، اب آپ اکاؤنٹنگ کا کام مسٹر صدیقی کے حوالے کر دیں اور تنخواہوں کے بل بنانا شروع کریں۔ آج ۲۰ مارچ ہے۔ ۲۸ مارچ تک یہ کام ضرور ختم ہو جانا چاہیے۔''

بہت اچھی تنخواہ پانے والا یہ افسر اعلیٰ اس طرح اپنے کام اور ذمہ داریاں، اپنے ماتحتوں کے سپرد کر کے بہت سی پریشانیوں سے بچ جاتا ہے۔ اور اسے اس بات کا پورا موقعہ مل جاتا ہے کہ نئی نئی باتیں سوچ سکے اور کاروبار کو ترقی دینے کے لیے کچھ نئی اسکیمیں اور منصوبے تیار کر سکے۔

اپنے دونوں کان ہمیشہ کھلے رکھیں

اگر آپ ہوشیار اور چوکنے رہیں تو آپ کبھی نہ کبھی دوسرے لوگوں کی زبان سے

کوئی ایسی بات بھی ضرور سن لیں گے جس کے ذریعہ آپ کو اپنا نیا منصوبہ بنانے میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔ یوں تو اکثر لوگ بڑے بڑے منصوبے بناتے ہیں۔ لیکن کامیابی اسی کو ہوتی ہے جو انہیں عملی جامہ پہناتا ہے۔ میرے ایک دوست کمال صاحب کو واقعی اس بات میں کمال حاصل ہے کہ وہ دوسروں کے خیالات اور منصوبوں کو بہت غور سے سنتے ہیں اور پھر اپنے طور پر ان سب کا تجزیہ کر کے کسی ایک کا انتخاب کر لیتے ہیں اور پھر اسے عملی جامہ پہنا کر فائدہ اٹھاتے ہیں۔ کمال صاحب نے اس سلسلے میں اپنا ایک واقعہ سنایا کہ۔ ''ایک مرتبہ وہ لوکل ٹرین میں کہیں جا رہے تھے۔ ان کے پاس ہی دو تین کیمسٹ بیٹھے تھے اور ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے کہ یکا یک ایک نئی دوا کا ذکر چھڑ گیا۔ ان میں سے ایک نے بتایا کہ اگر یہ دوا تھوک کے حساب سے خریدی جائے تو عام طور پر ڈھائی تین روپے فی پونڈ کے حساب سے مل جائے گی اور پانی میں ملا کر چھوٹی چھوٹی بوتلوں میں بھر کر کافی منفع بخش داموں پر فروخت کی جا سکتی ہے۔ لانڈریوں اور گھر پر دھونے والوں کے لیے ''عجب چیز ہے'' یعنی اگر یہ دوا ایک بالٹی پانی میں ایک چائے کے چمچے کے برابر لے کر ڈال دی جائے اور پھر اس میں معمولی دھلا ہوا کپڑا بھی کچھ دیر کے لیے ڈال کر نچوڑ لیا جائے تو اس میں اتنی نرمی اور چمک پیدا ہو جائے گی کہ سب کو ہی حیرت ہوگی اور اس میں غوطہ دیا ہوا کپڑا جلد خشک بھی ہو جاتا ہے۔''

کمال صاحب نے یہ تمام باتیں سن کر اپنے ذہن میں محفوظ کر لیں اور پھر اپنے طور پر انہوں نے اس دوا کے متعلق اپنی جان پہچان والے کیمسٹوں سے بھی پوچھ گچھ کی اور جب انہیں اس کی جانب سے پورا اطمینان ہو گیا تو پھر انہوں نے یہ معلوم کیا کہ یہ دوا کہاں سے زیادہ مقدار میں خریدی جا سکتی ہے؟ مختصر یہ ہے کہ انہوں نے وہ دوا کافی مقدار میں خرید لی۔

جس کی وجہ سے وہ ڈھائی روپے فی پونڈ سے بھی سستی پڑی۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی بیوی کے مشورے سے اس دوا کا ایک نہایت اچھا اور مختصر نیا نام رکھا اور پھر اشتہاری ہینڈ بل اور لیبل وغیرہ چھپوا کر نئی خوبصورت شیشیوں میں بند کر کے شہر کی مختلف

لانڈریوں اور اسٹوروں کو سپلائی کرنا شروع کیا۔ اپنے فالتو اوقات میں وہ یہی کام کیا کرتے تھے۔ کچھ ہی دنوں میں بازار میں اس چیز کی اتنی زیادہ مانگ ہونے لگی کہ ان کے لیے اس مانگ کا پورا کرنا نہایت دشوار ہو گیا۔ کمال صاحب نے محسوس کیا کہ اب انہیں اس کام میں پوری سرگرمی دکھانی چاہیے چنانچہ انہوں نے اپنی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ اس موقع پر انہیں پراویڈنٹ فنڈ کی جتنی بھی رقم ملی وہ انہوں نے اپنے اس کاروبار میں لگا دی۔ کچھ ہی عرصہ بعد مجھے معلوم ہوا کہ کمال صاحب نے اپنا کاروبار اب ایک باقاعدہ کمپنی کی صورت میں بدل دیا ہے اور اب اس دوا کے اشتہارات نہایت پابندی سے ریڈیو اور ٹیلی وژن کے کمرشل پروگراموں میں نشر ہوتے ہیں۔

اس کے صرف ''سال بعد'' کمال صاحب کے تمام حالات ہی یکسر تبدیل ہو گئے انہوں نے شہر کے سب سے اچھے علاقے میں ایک بڑی سی کوٹھی خرید لی پھر نئے ماڈل کی ایک کار بھی لے لی انہوں نے اپنی پروڈکٹ کی پیکنگ کے لیے شہر سے باہر ایک کارخانہ قائم کیا جس میں دو سو سے زیادہ آدمی روزانہ کام کرتے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ کیونکر ہو گیا؟ اور دیکھتے دیکھتے ان کے دن کیسے پھر گئے؟ محض چوکنے رہنے اور اپنے کان ہمیشہ کھلے رکھنے کی وجہ سے! اگر وہ لوکل ٹرین میں ان کیمسٹوں کی باتیں بغور نہ سنتے تو انہیں کیونکر اس دوا کا حال معلوم ہوتا اور وہ اس کاروبار کی جانب کیسے مائل ہوتے؟

وقت ضائع نہ کریں

بعض لوگ اپنے ہر کام میں نہایت محتاط ہوتے ہیں اور اس کی تفصیلات کی جانب زیادہ توجہ دیتے ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ جو شخص تفصیلات کے چکر میں پڑ جاتا ہے وہ بہت سے اچھے مواقع اپنے ہاتھوں سے کھو دیتا ہے یا انہیں نظر انداز کر دیتا ہے۔ کیونکہ اچھے مواقع کے جنگل میں جب اس کی نگاہیں ان کانٹے والی جھاڑیوں پر پڑتی ہیں جو وہاں آس پاس موجود ہوتی ہیں تو انہیں وہ ضرورت سے زیادہ اہمیت دینے

لگتا ہے اور ان مواقع کے ثمردار درختوں کی جانب اتنی زیادہ توجہ نہیں دیتا۔

بہت سے لوگ اپنے کاموں میں محض اس لیے طرح طرح کے الجھاؤ پیدا کر لیتے ہیں کہ وہ اس کی تفصیلات میں پڑ کر اس کے نفع بخش پہلوؤں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ماہرین نے تفصیل پسندی کی اس عادت کا نام اپنی اصطلاح میں (ڈیٹیل اوہانیا) رکھا ہے۔ میرے ایک دوست نجمی صاحب نے جب رسالے کے ایڈیٹر کی حیثیت سے اپنے کیریئر کا آغاز کیا تو انہوں نے اس کے متعلق بہت پہلے سے یہ تہیہ کر لیا تھا کہ وہ کبھی زیادہ تفصیلات میں نہ پڑیں گے اور جہاں تک ممکن ہوگا خط و کتابت میں بھی اختصار سے کام لیں گے۔ چونکہ میرے اکثر مضامین ان کے رسالے میں چھپتے رہتے تھے اس لیے میری ان کے ساتھ نہایت باقاعدگی سے خط و کتابت بھی رہا کرتی تھی۔ وہ جب کبھی مجھے کوئی خط لکھتے تھے نہایت مختصر کہ کوئی دوسرا شخص اسے پڑھ کر بمشکل صحیح مفہوم سمجھ سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ان کی تحریر کے چند نمونے آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

آپ کا مضمون پسند کر لیا گیا ہے، معاوضہ کی رقم چیک کی صورت میں حاضر ہے۔ آپ کا مخلص نجمی۔ افسوس اس مرتبہ آپ کا مضمون منتخب نہیں کیا جا سکا۔ مسودہ اصل خط کے ساتھ ملفوف ہے۔

خیر طلب نجمی

ان مندرجہ بالا دو مختصر تحریروں سے ہی آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ مسٹر نجمی کتنے اختصار پسند واقع ہوئے ہیں۔ جب انہوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ کوئی مضمون ان کے رسالے میں شائع ہونے کے قابل ہے یا نہیں تو وہ اس کی تفصیلات میں پڑ کر خواہ مخواہ اپنا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتے۔ بس، جب ان کے قلم سے ایک مرتبہ ''نہیں'' نکل گیا تو وہ کبھی ''ہاں'' میں تبدیل نہیں ہو سکتا۔

کالج کی تعلیم سے فارغ ہونے کے فوراً بعد میں نے عارضی طور پر کچھ عرصہ کے لیے ایک بینک کی ملازمت کر لی تھی۔ وہاں مجھے ایک ایسے افسر سے سابقہ پڑا جو

رپورٹ وغیرہ میں زیادہ تفصیلات مطلق پسند نہ کرتا تھا۔ وہ کبھی ٹائپ کی ہوئی کوئی طویل رپورٹ نہیں پڑھتا تھا اور فوراً واپس کر دیا کرتا تھا کہ اسے مختصر کر کے لاؤ۔ واقعی موجودہ دور میں زیادہ طویل رپورٹیں، درخواستیں یا سفارشات مطلق پسند نہیں کی جاتیں۔ اس لیے اس سے اجتناب کرنا ہی زیادہ بہتر ہے۔

اعتدال پسندی

اگر آپ کسی بہت بڑی صنعتی فرم میں ملازم ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ وہاں آپ کو جلد ترقی کرنے کے مواقع ملیں تو اس کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنے ''باس'' کی باتوں پر عمل کریں۔ اس کے برخلاف اگر آپ اپنے افسروں سے اکثر لڑائی جھگڑا کرتے رہیں گے۔ تو اچھے مواقع آپ سے روٹھ کر کسی اور طرف کا رخ اختیار کر لیں گے ملازمت پیشہ افراد کے لیے اپنے افسروں سے جھگڑا مول لینا کئی لحاظ سے نقصان دہ ہے یہ حقیقت ہے کہ جو شخص بھی آپ کا افسر ہے۔ وہی اچھے مواقع کے دروازے کی طلسمی کنجی اپنے پاس رکھتا ہے۔ جب کسی بھی محکمہ میں نچلے درجے کے عملے کی ترقی کا مسئلہ زیرِ غور ہوتا ہے تو افسروں کی کانفرنس میں وہی لوگ آگے بڑھائے جاتے ہیں جن پر انہیں پورا بھروسہ ہوتا ہے۔ جھگڑالو اور فتنہ پرور افراد کی ترقی کے لیے کوئی بھی سفارش نہیں کرتا۔ جو افراد اپنے افسروں کی ہدایت پر عمل کرتے ہیں انہیں یقیناً جلد از جلد ترقی کے مواقع حاصل ہوتے ہیں۔

شرمایئے مت

اکثر دیکھا گیا ہے کہ لوگ اپنے مسائل اپنے ساتھیوں کے سامنے پیش کرتے ہوئے کچھ جھجک سی محسوس کرتے ہیں لیکن یہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ جب ایک آدمی کسی دوسرے شخص کے سامنے اپنے مسائل پیش کرتا ہے تو وہ خود بخود اس کی امداد کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے اور بلا معاوضہ اسے ایسے مفید مشورے دیتا ہے کہ اس کے کئی

مسئلے چٹکی بجاتے ہوئے حل ہو جاتے ہیں۔

آپ کسی شخص سے مشورہ طلب کریں تو وہ نہ صرف یہ کہ اس کے لیے بخوشی آمادہ ہو جائے گا بلکہ اپنے ذاتی حالات اور مشاہدات بھی اس تفصیل کے ساتھ بیان کرے گا کہ کسی اور طرح ہرگز بیان نہیں کر سکتا۔ اگر آپ کسی کے ذاتی حالات اس کی زبان سے سننے کے خواہش مند ہیں تو اس سے کوئی مشورہ طلب کیجیے وہ اسی وقت آپ سے اپنے ذاتی تجربات بیان کرنا شروع کر دے گا اور آپ کو اپنے حالات کی روشنی میں سمجھائے گا جب کوئی شخص کسی دوسرے کے پاس مشورہ حاصل کرنے کے لیے جاتا ہے تو وہ نہ صرف یہ کہ اسے اخلاقاً مشورہ دیتا ہے بلکہ وہ یہ مشورہ دینے میں ایک خاص قسم کی خوشی اور آسودگی بھی محسوس کرتا ہے۔

یہ تو آپ عام طور پر دیکھتے ہیں کہ لوگ اچھے افسروں کی ہمیشہ تعریفیں کرتے ہیں اور ان کی تعریفیں کچھ اس قسم کی ہوا کرتی ہیں!" وہ نہایت شریف اور محنتی ہے۔ وہ کبھی آپ سے کوئی ایسا کام کرنے کے لیے نہیں کہے گا جو خود کر سکتا ہو۔" یہ ایک حقیقت ہے کہ ماتحت اسی وقت اچھا اور تسلی بخش کام کرتے ہیں جب کہ ان کا افسر خود اسی کام کو اچھا اور تسلی بخش کر کے دکھا دے۔ دوسرے ساتھی اور ماتحت عمدہ مثالوں سے ہی کچھ سبق سیکھ سکتے ہیں۔ اسی لیے افسروں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہیں بااصول زندگی بسر کرنی چاہیے تاکہ ان کے ماتحت بھی بااصول بنیں۔

بااصول

میں ایک صنعتی ادارے کے ایک افسر سے واقف ہوں جو نہایت ہی بے اصول واقع ہوا تھا۔ وہ اپنے ضروری کاموں کے وقت بھی آفس میں بیٹھا اخبارات پڑھتا ہوا نظر آتا تھا اور دوپہر کے کھانے میں وہ کافی وقت لگا دیتا۔ صبح کو بہت دیر سے آفس پہنچتا اور شام کو جلد چھٹی کر کے گھر واپس چلا جاتا۔ وہ کبھی اپنے ماتحتوں کے کاموں کی جانچ کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہ سمجھتا تھا اسے نہ تو رجسٹر میں حاضری لکھنے کی ضرورت

تھی اور نہ وقت پر پہنچنے کا وہ پابند تھا۔ اس سے وہاں کوئی بھی پوچھ گچھ کرنے کا مجاز نہ تھا لیکن ان تمام باتوں کا اور اس کے بے اصول پن کا نہایت خراب نتیجہ نکلا اس کے ماتحتوں کی نظروں میں اس کی کوئی عزت اور قدر باقی نہیں رہ گئی آپس میں وہ اس کے متعلق طرح طرح کی آوازیں کستے کوئی کہتا مزے تو صاحب بہادر کے ہیں اتنی بڑی تنخواہ پاتے ہیں۔ لیکن کام دھام کچھ بھی نہیں کرتے! بس آرام کرنے اور حرام کی کھائے جانے سے انہیں مطلب ہے! لیکن یہ صورت حال زیادہ دنوں تک نہ چل سکی۔ کچھ ہی عرصہ میں اس کے ماتحت کو مخصوص کام میں یہ مہارت حاصل ہو گئی اور وہ اپنے افسر کے مقام تک جا پہنچا اور افسر وہاں سے نو دو گیارہ ہو گیا۔ ایک باکمال شخص کو اپنے کام کے صلے میں جو اجرت حاصل ہوتی ہے وہ اتنی زیادہ اہمیت نہیں رکھتی بلکہ اسے اپنے عمدہ کام پر دوسروں کی زبان سے تعریف و ستائش حاصل ہوتی ہے۔ وہ اس کو ایک خاص لطف و آسودگی عطا کر دیتی ہے۔ ذہن میں اس خیال کا پیدا ہو جانا کہ اب کوئی دوسرا شخص اس سے بہتر کام انجام نہیں دے سکتا۔ اندرونی طور پر ایک عجیب خوشی اور قلبی طمانیت پیدا کر دیتا ہے۔

میں نے کامیاب ترین افراد کی زندگیوں کا باقاعدہ مطالعہ کیا ہے۔ ان میں سے بعض زندگیاں سطحی طور پر ایسی نظر آئیں جن کی کامیابی قسمت کی مرہون منت تھی لیکن جب میں نے ذرا اور گہرائی میں دیکھا تو پتا چلا کہ کوئی کامیاب زندگی بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ قرار نہیں دی جا سکتی۔

پہلے منصوبہ بندی اور تیاری

اس کے بعد سخت اور لگاتار جدوجہد۔ جب تک یہ دونوں صورتیں اختیار نہیں کی جاتیں کامیابی کے لیے کسی اچھے موقع کا ہاتھ کا آنا نہ صرف محال بلکہ ناممکن ہے!

اگر آپ خود اپنی زندگی پر ایک سرسری نظر ڈال جائیں تو یہ دیکھیں گے کہ بہت سے ایسے مواقع گزر گئے جن سے آپ نے پورا فائدہ اٹھانے کی کوئی خاص کوشش نہیں

کی۔ ایسے سینکڑوں تاریخی ریکارڈ موجود ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ بہت سے نہایت اہم خیالات پیدا ہوئے لیکن کسی نے انہیں عملی جامہ پہنانے کی کوشش نہیں کی۔ اس قسم کے تعمیری خیالات بے شمار دماغوں میں پیدا ہوتے ہین اگر انہیں گرہ سے باندھ لیا جائے اور پھر ان کے لیے باقاعدہ منصوبہ بندی کر کے وہ کام کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کا نتیجہ بہتر صورت میں برآمد نہ ہو۔

''میرے گھر کے قریب ہی ایک صاحب رہتے ہیں جو انشورنس کے نہایت کامیاب سیلز مین سمجھے جاتے ہیں انہوں نے ایک مرتبہ مجھے بتایا کہ ایک شخص کے پیچھے مسلسل گیارہ سال تک پڑے رہے اور آخر کار اسے پالیسی بیچنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس شخص کو زندگی کا بیمہ کرنے سے سخت چڑ تھی۔ وہ اس کے بارے میں کسی سے گفتگو کرنا پسند نہ کرتا تھا چنانچہ اس کے مزاج سے بخوبی واقف ہو جانے کے بعد انہوں نے کبھی اس سے براہ راست انشورنس کے موضوع پر کوئی بات چیت نہیں کی۔ اس کے برخلاف وہ اس کے ساتھ ٹینس اور دوسرے کھیل کھیلتے تھے اور اکثر اسے کھیل میں شکست دے کر اشتعال دلا دیتے تھے لیکن جب دوبارہ کھیل شروع ہونے لگتا تھا تو وہ اس سے یہ کہہ کر رخصت ہو جاتے کہ ''افسوس'' اب میں یہاں ٹھہر نہیں سکتا اس وقت مجھے ایک انشورنس پالیسی فروخت کرنے جانا ہے۔''

''اگلے روز جب دوبارہ کوئی اس قسم کی صورت پیش آتی تو پھر وہ کہتے کہ ''کل ایسے شخص کا انتقال ہو گیا جس کو میں نے انشورڈ کیا تھا اس کے بیوی بچوں کو اس کا علم نہ تھا لیکن میں نے جب انہیں جا کر اس بات کی اطلاع دی تو انہیں قدرے سکون ہوا۔''

وہ اس سے ہر دوسرے تیسرے دن اس قسم کا کوئی واقعہ بیان کرتے رہتے تھے لیکن سالہا سال گزرتے چلے گئے اور اس شخص کو شیشے میں نہ اتارا جا سکا۔ گیارہ سال تک مسلسل وہ اس شخص کے پیچھے پڑے رہے۔ آخر کار ایک دن ایسا آ ہی گیا جب ان کی یہ مستقل مزاجی بارآور ثابت ہوئی۔ اس نے خود انہیں اپنے پاس بلوایا اور کہنے لگا۔ مرزا صاب کل میرے ایک بہت پرانے اور عزیز دوست کا انتقال ہو

گیا...... میں نے جب اس کے جنازے کو کندھا دیا تو مجھے یکایک کچھ فکر لاحق ہو گئی۔ لیکن مرزا صاحب مجھے اب بھی انشورنس پر کوئی اعتماد نہیں ہے۔ میں صرف آپ سے پرانی ملاقات ہونے کی بنا پر یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آیا آپ ''اسٹیٹ اسکیم کے سلسلے میں مجھے کوئی پالیسی پیش کر سکتے ہیں۔ یہ تو آپ کو معلوم ہو گا کہ شہر میں میری کافی بڑی جائیداد موجود ہے اور کئی مکانات اور دوکانیں کرائے پر چل رہی ہیں۔''

مرزا صاحب، اسی قسم کا بزنس حاصل کرنے کے لیے گیارہ سال سے اس کا پیچھا کر رہے تھے۔ اور وہ اس روز اپنے مقصد میں آخر کار کامیاب ہو ہی گئے۔

ہنری جے قیصر نے کسی کام کے پیچھے مسلسل پڑے رہنے کو مقصد یا گول تک پہنچنے کا سب سے مؤثر ذریعہ قرار دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے آپ خود اپنے تئیں یہ سوال کریں کہ میں زندگی میں سب سے زیادہ کس چیز کا خواہش مند ہوں اور کیا حاصل کرنا چاہتا ہوں؟ آپ اپنی تمام ذہنی اور جسمانی قوتوں کو منظم کر کے پھر انہیں خود اپنے ڈھب پر ڈال دیجئے۔ ہمیشہ اپنے مقصد یا گول پر نظر رکھیے اور اس تک پہنچنے کے لیے اپنی سرگرمیاں برابر جاری رکھئے۔ یہ مسلسل جدوجہد ہی آپ کو ایک دن اپنے گول سے قریب تر پہنچا دے گی اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کی جائے اور زندگی کی جانب آپ کا رویہ ہمیشہ فاتحانہ ہونا چاہئے لیکن آپ کے اندر خود اعتمادی اس وقت پیدا ہو سکتی ہے جب کہ آپ اپنی تمام صلاحیتوں اور کمزوریوں سے بخوبی واقف ہوں۔ یعنی آپ خود جانتے ہوں۔ یعنی آپ خود کو جانتے ہوں تب اعتمادی احساس کمتری اور جذباتی کشمکش کو زیادہ ابھرنے کا موقع نہیں دیتی۔ میرا خیال ہے کہ جن لوگوں کی شخصیت اثباتی قدروں کی حامل ہوتی ہے اور جن کی نگاہیں ہمیشہ اپنے مقصد یا گول پر لگی رہتی ہیں وہ اپنی مسلسل جدوجہد اور لگاتار محنت کی وجہ سے جلد یا بدیر ضرور کامیاب ہو جاتے ہیں۔

تحفظ کا چکر

وہ نوجوان جن کی عمریں ابھی چالیس یا پینتالیس سال سے متجاوز نہیں ہوئی ہیں

انہیں محفوظ ملازمت یا مالی تحفظ وغیرہ کا خیال اپنے دل سے نکال دینا چاہیے کیونکہ عمر کا یہی وہ حصہ ہے جب ایک انسان زیادہ سے زیادہ ترقی کر سکتا ہے۔انہیں وہ کاروبار یا ملازمتیں اختیار کرنی چاہئیں، جن میں آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کے امکانات زیادہ ہوں۔امریکہ کے سابق صدر آئزن ہاور نے ایک مرتبہ نوجوان امیدواروں کے ایک اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے کیا خوب کہا تھا کہ !اگر آپ تحفظات پسند انسانوں کی کوئی بہترین مثال دیکھنے کے خواہش مند ہیں تو کسی جیل یا قید خانے میں جا کر اس شخص کو دیکھ لیجئے جو کسی سنگین جرم کی بنا پر تاحیات قید کی سزا بھگت رہا ہے۔''

جو لوگ تحفظات کے چکر میں پڑ جاتے ہیں وہ پھر اپنی زندگی میں کوئی خاص ترقی بھی نہیں کر سکتے۔تمام باصلاحیت مردوں اور عورتوں کو چاہیے کہ وہ مالی تحفظ کی بنا پر کوئی ملازمت ہرگز اختیار نہ کریں اور میں تو انہیں یہ بھی مشورہ دوں گا کہ ایسے افراد جن کی عمریں زیادہ ہو جائیں جب بھی انہیں تحفظات وغیرہ کی زیادہ پروا نہیں کرنی چاہیے کیونکہ تحفظات کا وزنی لنگر پھر انہیں آگے قدم بڑھانے کا موقع نہیں دے گا۔

جلد بازی

کام یا پیشہ تبدیل کرنے کے چند اصول ہیں۔اگر ان پر باقاعدہ عمل کیا جائے تو اس صورت میں کسی خسارے یا نقصان کا امکان باقی نہیں رہتا۔کبھی اپنی کوئی ملازمت غصہ کی حالت میں ہرگز نہ چھوڑیں۔

ایک شخص جو ایک جگہ سے غصہ کی حالت میں کام چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جاتا ہے۔وہ بڑی فاش غلطی کرتا ہے اور اپنے آپ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا لیتا ہے۔ہاں اگر ہنسی خوشی اور دوستانہ ماحول میں اس قسم کی علیحدگی ممکن ہو سکے تو اس سے کوئی بھی نقصان نہیں پہنچے گا۔

آپ اس وقت تک اپنے موجودہ کام کو ہرگز نہ چھوڑیئے جب تک کہ اس کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد آپ اپنی صلاحیتوں سے بھی بخوبی واقف نہ ہو

جائیں۔صرف زیادہ تنخواہ پانے کی لالچ میں ایک کام چھوڑ کر دوسرے کام میں لگنا جب کہ اس سے پوری طرح واقفیت بھی نہ ہو سخت نادانی ہے۔میں نے ایک بے چین طبیعت کے نوجوان کو دیکھا کہ اس نے اپنے کام میں کوئی تجربہ یا مہارت حاصل کرنے کے باوجود اسے چھوڑ کر دوسرا کام اختیار کرلیا اور پھر کچھ ہی عرصہ بعد اسے چھوڑ کر تیسرا اختیار کیا جو بھی کام آپ اختیار کریں اس میں پوری طرح مہارت حاصل کرلیں تا کہ اگر اسے چھوڑ بھی دیں تو فنی مہارت کی وجہ سے آپ دوسرا کام بھی جلد سمجھ سکیں!

اس کام کو تبدیل کرنے کے سلسلے میں ایک نکتہ قابل توجہ یہ بھی ہے کہ آپ اپنے موجودہ کام کی اہمیت کو کم نہ سمجھ لیں۔ایک ایسا کام جس میں آپ کو پوری مہارت اور تجربہ حاصل ہو وہ آپ کو دوسرا نفع بخش کام دلانے میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔آپ یہ بات ہمیشہ یاد رکھیں کہ کوئی بھی مالک آنکھیں بند کر کے آپ کی خدمات حاصل نہیں کرے گا۔جب تک کہ وہ آپ سے بخوبی واقف نہیں ہو جاتا کہ آپ اس کا کام نہایت خلوص وایمانداری سے انجام دیں گے اور یہ کہ آپ اس کام میں پوری مہارت بھی رکھتے ہیں وہ آپ کو کبھی اپنے کام پر نہیں لگا سکتا۔جب آپ کو یہ پوری طرح یقین ہو جائے کہ واقعی آپ اس کام میں کچھ تجربہ اور مہارت رکھتے ہیں۔اسی وقت اپنی خدمات کسی دوسری جگہ پیش کرنے کی کوشش کریں۔اگر آپ کو موجودہ کام کی جگہ کم تنخواہ ملتی ہے اور دوسری جگہ زیادہ ملنے کی امید ہے تو آپ اپنے طور پر یہ بھی دیکھیں کہ آپ اس کام کے لیے موزوں بھی ہیں یا نہیں؟

آپ اس وقت تک اپنا موجودہ کام یا ملازمت تبدیل کرنے کی ہرگز کوشش نہ کریں جب تک کہ آپ کے اس اقدام سے کوئی مستقل اور دیرپا فائدہ نہ ہوتا ہو۔تنخواہ کے لحاظ سے بھی اور آپ کے مستقبل کے لیے بھی۔کسی ملازمت کو اختیار کرنے سے قبل جب کہ آپ مستقل طور پر کسی دوسری جگہ کام کر رہے ہوں اس نئے کام کے متعلق پوری طرح معلومات حاصل کرلیں۔آپ کو ایک ماہر سراغرساں کی طرح اس نئی جگہ کے بارے میں حسب ذیل باتوں کی اچھی طرح تحقیقات کرلینی چاہیے۔

۱۔ آیا وہ مالی لحاظ سے مستحکم ہے یا نہیں؟

۲۔ اگر وہ کاروباری ادارہ ہے تو اس کی سرگرمیاں کتنے حصوں میں تقسیم ہیں؟ موجودہ ریسرچ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ جو فرمیں صرف ایک ہی چیز کا کاروبار کرتی ہیں وہ جلد دیوالیہ ہو جاتی ہیں۔

۳۔ وہ ادارہ کیا کسی خاص خاندان کے کنٹرول میں ہے؟

۴۔ اس ادارہ کی انتظامیہ کی سیاست کس طرح کی ہے۔

۵۔ اس دفتر میں کتنے افراد ایسے موجود ہیں جو اپنے کاموں میں مہارت کی وجہ سے نہیں بلکہ سفارش اور خوشامد کی بنا پر آگے بڑھا دیئے گئے ہیں۔

۶۔ اس کمپنی یا ادارے میں تعطیلات، اتفاقیہ رخصت اور سالانہ چھٹیوں کی کیا کیفیت ہے۔ کیا بیماری کی حالت میں دوا علاج کا خرچ وہ اٹھاتا ہے یا نہیں۔

۷۔ سال میں کتنے بونس ملتے ہیں؟

۸۔ آیا کمپنی کے ملازمین کو بھی اس کا حصہ دار بنا لیا جاتا ہے؟

۹۔ ملازمین کی صحت کا کتنا خیال رکھا جاتا ہے اور کیا کیا حفاظتی تدابیر اختیار کی جاتی ہیں؟

۱۰۔ ملازمین کی اقامت کا کیا انتظام ہے؟ کوارٹر الاٹ کئے جاتے ہیں یا مکان کا پورا کرایہ دیا جاتا ہے۔

۱۱۔ اگر تنخواہ معقول نہیں ہے تو اس کے بدلے میں دوسری رعائتیں کیا کیا ہیں؟

۱۲۔ کیا آپ اس نئے کام میں واقعی دلچسپی لیتے ہیں؟ اور کیا آپ اسے موجودہ کام سے زیادہ پسند کرتے ہیں؟

۱۳۔ کمپنی یا اس ادارے کی جانب سے بچوں کی تعلیم کے لیے کیا انتظامات ہیں؟

۱۴۔ کھیل کود اور تفریح کے لیے کیا بندوبست کیا گیا ہے۔

۱۵۔ اس نئی جگہ جن ساتھیوں سے آپ کا سابقہ پڑے گا کیا آپ انہیں پسند کرتے ہیں۔

۱۶۔ جن نئے افسروں سے آپ کا سابقہ پڑے گا کیا آپ ان کے ماتحت رہ کر

بخوشی کام کرسکیں گے؟

۱۷۔ اس ادارے یا کمپنی کا باس کس ذہنیت کا آدمی ہے؟ آپ اس کی مسکراہٹ یا ظاہری اخلاق سے زیادہ متاثر نہ ہوں بلکہ جن لوگوں سے اکثر اس کا کاروباری سابقہ پڑتا رہتا ہے ان سے اس کے متعلق تمام باتیں معلوم کریں یہ بات ہمیشہ یاد رکھئے کہ ایک نئے باس کا انتخاب کرنا، ایک بیوی یا شوہر کے انتخاب کی طرح بڑا ہی نازک مسئلہ ہے۔ جس طرح لڑکے والے ایک دلہن تلاش کرتے وقت تمام پہلوؤں پر غور کرتے ہیں اسی طرح ایک نیا مالک تلاش کرتے وقت اس کے متعلق تمام ضروری باتیں جان لینا کئی لحاظ سے سودمند ہوں گی جب تک آپ اس نئی کمپنی کی ساکھ کی جانب سے مطمئن نہ ہو جائیں اپنی موجودہ ملازمت یا کام ہرگز نہ چھوڑیں۔

ایک ایسا شخص جو محنت سے جی چراتا ہے اور ہمیشہ آسان کاموں کی تلاش میں رہتا ہے وہ اپنی زندگی میں کبھی خاطر خواہ ترقی نہیں کر سکتا۔ اسی لیے ایک مشہور امریکی ماہر نفسیات ہنری ہی ڈیو پونٹ لوگوں کو مشورہ دیتا ہے۔ اگر آپ آگے بڑھنا اور ترقی کرنا چاہتے ہیں تو کوئی مشکل کام تلاش کیجیے۔ زیادہ محنت اور مشقت سے ہرگز نہ گھبرایئے۔ جن کاموں کی طرف لوگ بہت کم توجہ دیتے ہیں اگر آپ ان کی جانب مائل ہوں تو آپ کو ترقی کا موقع بہت جلد مل جائے گا۔

موجودہ دور میں ترقی کے بہت سے مواقع موجود ہیں بشرطیکہ آپ اپنے لیے کوئی مشکل کام منتخب کر لیں گے تو اس میں مقابلے کے امکانات خاصے کم ہوں گے اور جلد آگے بڑھنے کا موقع مل جائے گا۔

اس سلسلہ میں امریکی صنعتی کارخانوں کی کمپنی تیار کرنے والے سب سے بڑے ادارے کے صدر مور ایس کی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔ انہوں نے سب سے پہلے ایک پینٹر کی حیثیت سے ٹریننگ حاصل کی تھی وہ خود اپنی زبان سے اپنے حالات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

جب میں ایک پینٹر تھا تو میں اپنے "باس" کے ایک تجربے سے بہت زیادہ

متاثر ہوا۔ وہ تجربہ یہ تھا کہ جب کبھی پانی کی ٹنکی، واٹر ٹاور یا چرچ اسٹیل کی پینٹنگ کے لیے کوئی ٹھیکہ لیتا تھا تو اسے کچھ نہ کچھ گھاٹا یا پریشانی ضرور لاحق ہوتی تھی۔ کسی عمارت کے نچلے حصے کی پینٹنگ کا کام تو نہایت آسان تھا اسی لیے اس میں کوئی زحمت پیش نہ آتی تھی اور اس قسم کے کاموں کے لیے بہت سے آدمی بھی مل جاتے تھے لیکن جب کبھی زمین سے سوفٹ یا اس سے زیادہ بلندی پر پینٹنگ کا کام ہوتا تھا تو پینٹر بہت نخرے کرتے تھے اور اس کام کے لیے بڑی مشکل سے تیار ہوتے تھے حالانکہ ہمارا ''باس'' اس کے لیے ''بونس'' وغیرہ دینے کا بھی وعدہ کرتا تھا۔ میں بھی شروع شروع میں زیادہ بلندی پر کام کرتے ہوئے سخت گھبراتا اور ڈرتا تھا۔ لیکن اس قسم کے کاموں میں اجرت بہت معقول ملتی تھی۔ آگے چل کر میں نے خوب تجربہ حاصل کر لیا تو پھر میں زیادہ تر بلندی ہی کا کام پسند کرتا تھا۔

کچھ ہی عرصہ بعد جب میں نے اس طرح کی کمائی سے اپنا بینک بیلنس اچھا خاصا بنا لیا تو میں نے ایک روز اس مسئلہ پر غور کیا کہ زیادہ بلندی پر ہر قسم کا کام مشکل ہے۔ چمنیوں کی تعمیر، واٹر ٹاور کی تعمیر، پینٹنگ اور مرمت وغیرہ کے کاموں کے لیے تجربہ کار اور مشاق آدمی بہت کم ملتے ہیں اور ضرورت پڑنے پر انہیں بہت دور سے بلوانا پڑتا ہے۔ چنانچہ میں نے ایک ایسا ادارہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا جو صرف بلندی کے کاموں کے لیے ٹھیکے حاصل کرے اور معقول تنخواہوں پر ایسے ملازم رکھے جو زیادہ بلندی پر کام کرنے میں خوب مہارت رکھتے ہوں۔ میرے اس ادارے نے اندازے سے کہیں جلد شہرت اور ترقی حاصل کر لی اس قسم کے ادارے جو پہلے سے موجود تھے یا جو میرے بعد قائم ہوئے وہ زیادہ تر فیل ہو گئے۔

ان سب کی ناکامی کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ اس قسم کے خطرناک کام کرنے والے آدمیوں کو مستقلاً اپنے ہاں ملازم نہیں رکھتے تھے بلکہ جب انہیں زیادہ بلندی پر کام کرنے کے لیے کوئی ٹھیکہ ملتا تھا، اسی وقت وہ ان کی خدمات حاصل کرتے تھے اور بہت دور دور سے انہیں بلوا لیتے تھے۔ لیکن جب ایسے آدمی کہیں اور کام کر رہے

ہوتے تھے تو پھر انہیں مہیا کرنا بڑا دشوار ہو جاتا تھا اور دیر ہو جانے کی وجہ پر اکثر ٹھیکے منسوخ ہو جاتے تھے جن سے ان کی ساکھ اور نیک نامی پر بہت برا اثر پڑتا تھا۔ میں نے ان دقتوں پر عبور حاصل کرنے کے لیے سب سے پہلے یہ فیصلہ کیا کہ ہمارے ادارے میں ایسے تمام آدمی مستقلاً ملازم رکھے جائیں گے، انہیں معقول تنخواہیں دی جائیں گی اور ان کی رہائش کا بھی مناسب انتظام کیا جائے گا تاکہ انہیں ہر روز دور دراز علاقوں سے آنے میں زحمتیں نہ اٹھانی پڑیں۔

چنانچہ میرا منصوبہ نہایت کامیاب ثابت ہوا۔ ہمارے ادارے میں ہر وقت ایسے آدمی موجود رہتے تھے جو خطرناک بلندیوں پر کام کر سکتے تھے۔ میں نے اپنے کاروبار کی اس نمایاں کامیابی کے بعد جو سب سے بڑا سبق سیکھا وہ یہی تھا کہ کاروباری مسابقت کے لیے اس دنیا میں بہت گنجائش موجود ہے اور دولت ہر اس شخص کی منتظر ہے جو اپنے آپ کو ایسے کاموں یا خدمات کے لیے وقف کر دیتا ہے۔ جنہیں دوسرے لوگ جلد قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ ہمیشہ ایسے کاموں کو قبول کیجئے جو واقعی سخت دشوار اور محنت طلب ہوں۔ آپ سخت حیران ہوں گے کہ اس کام میں آپ کا مقابلہ کرنے والے بہت کم ہوں گے۔

مورائیس مشہور نفسیات دان ڈاکٹر جان بورکسٹن کے اس مقولے سے بہت زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ کامیابی کسی شخص کی اس اہلیت میں پنہاں ہے جس سے وہ سخت کاموں کو دلچسپ مہمات یا ایڈونچرز میں تبدیل کر دیتا ہے۔

آپ جو کام بھی کر رہے ہیں اس میں کبھی نہ کبھی مشکلات اور دشواریوں کا پیدا ہو جانا یقینی ہے۔ اس لیے ان سے گھبرانا یا دور بھاگنا حماقت ہے۔ یہ مشکلات اور دشواریوں ہی کا زمانہ ہوتا ہے۔ جب کہ سنہری مواقع سامنے آتے ہیں اور وہ لوگ نہایت ہوشیار اور چوکنے ہوتے ہیں وہی ان مواقع سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو مشکلات اور دشواریوں سے ہرگز ہمت نہ ہار بیٹھیں بلکہ ان کا مردانہ وار سامنا کریں اس طرح آپ کو اچھے مواقع ضرور ہاتھ آ جائیں گے۔

ایک ایسا شخص جو آئے دن طرح طرح کی مشکلات کا مقابلہ کرتا رہتا ہے وہ عموماً اچھے مواقع کو اپنی ہی جانب مائل وراغب پاتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک ڈیزائن انجینئر برہان احمد برنی کا واقعہ سن لیجیے۔

انہوں نے فرنش لوڈ کرنے کی غرض سے ایک خودکار آلہ تیار کرنے کے لیے جو ڈیزائن بڑی محنت سے بنایا تھا اسے شروع میں تمام ماہرین نے بہت پسند کیا اور اس ڈیزائن کو متفقہ طور پر منظور بھی کرلیا گیا۔ لیکن جب وہ آلہ اس ڈیزائن کے مطابق بن کر آیا تو اس میں کئی غلطیاں اور خامیاں پائی گئیں۔ چنانچہ ان سے دوسرا ڈیزائن تیار کرنے کے لیے کہا۔ اس خودکار آلہ کے ایک حصے میں اسٹینلیس اسٹیل کی بجائے چینی یا پتھر کا استعمال اس لیے نہایت ضروری ہوگیا تھا کہ ۳ ہزار ڈگری کی سخت آنچ میں فولاد ریزہ ریزہ ہوجاتا تھا۔

برہان برنی نے اس صورت حال سے ذرا بھی ہمت نہ ہاری اور دوسرا ڈیزائن تیار کرنے کا تہیہ کرلیا۔ اس مرتبہ انہیں کئی غیر متوقع مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن پھر بھی وہ اپنے کام میں برابر لگے رہے اس مرتبہ انہوں نے جو ڈیزائن تیار کیا تھا اس کے مطابق جب وہ نیا آلہ بن کر آیا تو اسے چھ ماہ تک آزمائشی دور میں رکھا گیا اور وہ کئی لحاظ سے نہایت مفید ثابت ہوا، اس کی وجہ سے کافی روپیہ اور انسانی محنت بچ جاتی تھی۔ چنانچہ ان کی جانب سے پیٹنٹ کے لیے درخواست دے دی گئی اور پھر برہان برنی کی کمپنی نے ایک دوسری بہت بڑی مشینری تیار کرنے والی فرم کو کثیر تعداد میں اس خودکار آلہ کی تیاری کا آرڈر دے دیا۔

برہان برنی کے اس عزم وہمت نے جس کی وجہ سے وہ دوبارہ غیر متوقع مشکلات کا سامنا کرنے کے لیے آمادہ ہوگئے تھے انہیں دراصل اس سنہری موقع کے روبرو لاکر کھڑا کردیا۔ ان کی مسلسل محنت اور جانفشانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک خطیر رقم جس کا وہ تصور بھی نہ کرسکتے تھے ان کے ہاتھ آئی اور ایک موجد کی حیثیت سے ان کے نام کا شہرہ بھی ہوگیا۔ ان کی اس ایجاد سے کمپنی کو کثیر منافع ہوا اور انہیں بھی پچاس فیصد

رائلٹی ملنے کا حق حاصل ہوگیا۔ ایک مرتبہ دوران سفر میری ملاقات ایک ایسے شخص سے ہوگئی جو ایک بہت بڑا صنعت کار تھا لیکن وہ نہ تو اپنی زندگی میں کسی اسکول میں تعلیم حاصل کرسکا تھا۔ مجھ سے جب ضبط نہ ہوسکا تو میں نے اس سے یہ سوال کر ہی لیا کہ آپ نے اتنے بڑے صنعتی کاروبار کو کس طرح فروغ دیا؟

میرے اس سوال پر پہلے تو وہ مسکرایا پھر اس نے بتانا شروع کیا! میں نے اپنی زندگی میں کئی طرح کے کام کیے ہیں اور جو بھی کام میں نے اپنے ہاتھ میں لیا اسے بہتر سے بہتر طور پر انجام دینے کی کوشش کی تاکہ میں اپنے دوسرے ساتھیوں کے مقابلہ میں اس کام میں زیادہ سے زیادہ مہارت اور تجربہ حاصل کرسکوں۔ یوں تو سب ہی اپنے کام بہتر طور پر انجام دینے کی کوشش کرتے ہیں لیکن میں ان سب سے بازی لے جانے کی زبردست خواہش اپنے اندر رکھتا تھا۔ اس کے علاوہ میں اچھے مواقع کو کبھی اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیتا تھا جس وقت بھی مجھے یہ احساس ہوتا تھا کہ یہ موقع اچھا ہے تو میں اس سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا تھا اور یوں پوری محنت اور توجہ سے کام کرکے اپنے مقصد حاصل کرلیتا تھا۔

اچھے مواقع تو ہمہ وقت ہمارے لیے منتظر رہتے ہیں صرف دیکھنے والی آنکھیں اور چوکنا دماغ ہمیں ان کی موجودگی کا احساس دلا سکتے ہیں۔ وہ ایک خوبصورت باغ میں گلاب کے پھولوں کی مانند ہیں۔ آپ انہیں دیکھتے ہیں اور وقتی طور پر ان کی تعریفیں بھی کرتے ہیں لیکن پھر وہ آپ کی زندگی سے ہمیشہ کے لیے نکل جاتے ہیں یا اگر آپ انہیں توڑ سکتے ہوں تو اپنے گھر پر لاکر خوبصورت گلدان کی زینت بنادیتے ہیں اور شام تک ان کو اپنے سامنے رکھ کر لطف اندوز ہوتے ہیں لیکن باغ میں دوسرے گلاب بھی تو کھلے ہوئے ہیں جن کی رنگینیوں سے آپ مطلق لطف اندوز نہیں ہوتے اور آپ کو ان کی خوشبو کا احساس ہوتا ہے۔

آپ غریب کیوں ہیں؟

دنیا میں ایسے لوگ کم نہیں جو اپنے آپ کو بدقسمت، کمزور اور ناتواں سمجھتے ہیں۔سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ ایسا کیوں سمجھتے ہیں؟ محض اس لیے کہ دنیا میں انہیں وہ سہولتیں اور آسائشیں میسر نہیں ہوتیں جن سے دوسرے بہرہ ور ہیں۔ان لوگوں کا بغور مشاہدہ کیجیے تو پتہ چلے گا کہ وہ مختلف خداداد صلاحیتیں رکھنے کے باوجود اپنے آپ کو ذہنی طور پر مفلس اور قلاش تصور کرتے ہیں۔جب کبھی کسی اچھی چیز یا سہولت کا ذکر آئے گا وہ یہ کہہ کر اسے نظر انداز کر دیں گے یہ تو امیروں کے چونچلے ہیں ہمارا ان سے کیا تعلق؟ اس طرز عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ انسانی ذہن اور شعور آہستہ آہستہ مایوسی اور قنوطیت کا شکار ہو جاتا ہے یاد رکھیے، انسانی جسم میں دماغ کی حیثیت بالکل وہی ہے جو ایک ملک میں کسی سربراہ مملکت کی ہوتی ہے، ملک کے سربراہ کی طرح وہ جسم کے تمام معاملات پر نظر رکھتا اور انہیں کنٹرول کرتا ہے۔

ڈیل کارنیگی نے کہا تھا! ''دماغ ایک ایسا کارخانہ ہے جہاں انسان کی کامیابیاں اور ترقی کی تمام چیزیں ڈھلتی ہیں۔'' اسی طرح ایک اور ماہر نفسیات کا قول ہے! ''تخیل ہماری بری روح کی فیکٹری ہے۔ یہاں انسانی خواہشات اور جذبات عمل کی شکل اختیار کرتے ہیں۔'' ان اقوال سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ مثبت خیالات کس حد تک ہماری کامیابی کے ضامن ہیں۔جس طرح چھوٹے بچوں کو مختلف کاموں کے لیے تیار کرنے کی تربیت دی جاتی ہے اسی طرح ذہن کو بھی صحیح خطوط پر کام کرنے کی تربیت دینا ضروری ہے۔ہمارے خیالات، ذہن کی آبیاری کرتے ہیں۔

دوسرے الفاظ میں یوں سمجھ لیجیے ہمارا ذہن بنجر زمین کی مانند ہے اور خیالات بیج کا کام کرتے ہیں۔ہم اگر زمین میں گندم بوئیں گے تو گندم ہی کاٹیں گے۔ٹھیک اسی ح ہم اپنے ذہن میں جیسے برے بھلے خیالات کی پرورش کریں گے ہماری شخصیت

اور ذات پر ان کا اثر نمایاں ہوگا۔ایک بار کسی نے ڈیل کارنیگی سے پوچھا! ''آپ نے زندگی میں اب تک سب سے بڑا سبق کون سا سیکھا ہے۔اس نے فوراً جواب دیا! خیالات کی اہمیت۔'' اس کا کہنا ہے اگر مجھے معلوم ہو جائے آپ کیا سوچتے ہیں تو میں بتادوں گا کہ آپ کیا ہیں؟

یہ حقیقت ہے کہ ہمارے خیالات ہمیں بناتے اور بگاڑتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے ذہن میں ہمیشہ مثبت خیالات کو جگہ دیں۔بیمار اور پریشان کن خیالات ہمیں بیمار اور پریشان کر دیں گے، ان سے بچنا نہایت ضروری ہے۔آپ اگر ذرا بھی ٹھنڈے دل سے سوچیں تو معلوم ہو جائے گا کہ آپ کی غربت اور مفلسی کا سب سے بڑا سبب منفی خیالات ہیں۔آپ صرف اس لیے غریب ہیں کہ آپ نے ذہنی طور پر اس حیثیت کو قبول کر لیا ہے اس سے نجات حاصل کرنے کا آج ہی سے پختہ ارادہ کر لیجئے۔کوئی وجہ نہیں کامیابی آپ کے قدم نہ چومے۔ممکن ہے ان سطور کو پڑھ کر کسی کے ذہن میں یہ سوال ابھرے کہ ایک شخص اگر آنکھیں بند کر کے بیٹھ جائے اور سوچنا شروع کر دے۔''میں لکھ پتی بن گیا ہوں۔تو کیا ایسا ہو جائے گا؟ ہرگز نہیں۔نہ تو میرے کہنے کا مطلب ہے اور نہ ہی اس طرح دولت مند بنا جا سکتا ہے۔''

اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالئے اس کائنات کی ہر شے کسی نہ کسی اصول کے مطابق چل رہی ہے۔یہ چاند، ستارے، سورج اور زمین کچھ اصول کے پابند ہیں۔اگر ایسا نہ ہوتا تو سب آپس میں ٹکرا جاتے اور کائنات کا سارا نظام درہم برہم ہو کر رہ جاتا۔پھر دیکھئے بچہ ماں کے پیٹ میں مسلسل نو ماہ تک پرورش پاتا ہے پھر دنیا میں آنے کے بعد آہستہ آہستہ پروان چڑھتا اور جوان ہوتا ہے۔اب اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ بچہ صرف ایک گھنٹہ پیٹ میں رہنے کے بعد پیدا ہوتا تو کیا ہوتا؟ یہ بات قانون فطرت کے خلاف ہے۔اس لیے وہ یقیناً زندہ نہ رہتا۔اسی طرح جب آپ دولت کمانے کا کوئی منصوبہ سوچتے ہیں تو اس کی تکمیل کے لیے چند مراحل سے گزرنا ضروری ہوتا ہے۔دنیا کے کسی دولت مند انسان کی مثال لے لیجئے، ہر ایک کو زندگی میں بے پناہ جدوجہد کرنی

پڑتی ہے تب کہیں جا کر اس مقام تک پہنچتا ہے۔اس کے برعکس آپ کو کوئی شخص ایسا نہیں ملے گا جو آنکھیں بند کر کے صرف سوچتا رہا ہو اور اس کے سامنے دولت کا ڈھیر لگ گیا ہو۔مثبت خیالات کا کام یہ ہے کہ وہ انسان کے اندر کام کی تحریک، جوش و خروش اور جذبہ پیدا کرتے ہیں تا کہ وہ پوری خود اعتمادی سے جدوجہد کرے اور چند ضروری مراحل طے کرنے کے بعد اپنے ارادے میں کامیاب ہو جائے۔اپنی بات واضح کرنے کے لیے میں انڈریو کارنیگی کی مثال پیش کروں گا۔وہ کسی زمانے میں ایک معمولی مزدور تھا لیکن آج اس کا شمار دنیا کے امیر لوگوں میں ہوتا ہے۔

اگر کوئی شخص چاہتا ہے اس کا خیال، خواہش، جنون میں بدل جائے تو اس کا صرف ایک طریقہ ہے وہ یہ کہ انسان اپنے مقصد کو سب سے پہلے واضح الفاظ میں کسی کاغذ پر لکھ لے اور پھر دن میں کم از کم دس بار اس کو بلند آواز سے پڑھے۔بار بار پڑھنے سے وہ مقصد ذہن پر گویا نقش ہو جائے گا۔کچھ لوگ اس بات کا رونا روتے ہیں کہ زندگی میں کبھی اچھے مواقع نہیں ملے۔میں ان سے کہوں گا بڑے لوگوں کی زندگی پر ایک نظر ڈالیے انہیں مواقع آسمان سے حاصل نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے اپنی ہمت، جرأت، اور خود اعتمادی سے پیدا کیے اور پھر ان سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا۔آپ بھی اگر دنیا میں ترقی اور کامیابی کے خواہاں ہیں تو اٹھیے اور اپنی خواہش کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے کمر کس لیجیے۔خدا آپ کا ساتھ دے گا۔کامیابی کے مواقع خود بخود پیدا ہوتے چلے جائیں گے۔